ناولٹ

حد

نمرہ احمد

ناولٹ

حدّ

نمرہ احمد

سیاہ آہنی گیٹ کے سامنے رک کر اس نے گردن اونچی کر کے دیکھا۔ گیٹ کی سیاہ سلاخوں کے پیچھے پتھروں سے بنی طویل روش تھی، جس کا اختتام اونچے ستونوں سے مزین برآمدے پہ ہوتا تھا۔ ستونوں پر سے ہوتے ہوئے اس کی نگاہیں اوپر اٹھتی گئیں۔ وہ خوب صورت برآمدہ ایک بلند و بالا محل نما کوٹھی کا حصہ تھا جس کے سامنے کی اونچی سفید چھت مخروطی تھی۔ اس کے عقب میں نیلا آسمان دکھتا

تھا۔

اس نے ڈور بیل کے ساتھ جڑی تختی پھر سے پڑھی۔

''سینئر خانوادہ جہانگیر شاہ۔'' اور انگلی گھنٹی پر رکھ دی۔ گیٹ کے ساتھ اندر کی طرف بنی چوکی کی کھڑکی سے گارڈ نے جھانکا۔

''کون ہیں آپ اور کیا کام ہے؟''

''سینئر جہانگیر شاہ اندر ہیں؟''

''آپ کام بتائیں۔'' گارڈ کا لہجہ روکھا تھا۔

''آپ جا کر مسز شاہ سے کہیں کہ منال جہانگیر شاہ آئی ہے، میرا نام یاد رکھیے گا۔ منال جہانگیر شاہ۔'' آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ چھوگئی۔ گارڈ نے قدرے الجھن سے زیرِ لب اس کا نام دہرایا، پھر فون کا ریسیور اٹھایا۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے فرصت سے لان کا جائزہ لینے لگی جو روش کے دونوں اطراف میں پھیلا تھا۔ سفید محل، سبز گھاس، اور اوپر نیلا آسمان۔ وہ زمین کا نہیں، عدن کا ٹکڑا لگتا تھا۔ دفعتاً گارڈ نے پھر چوکی کی کھڑکی سے جھانکا۔

''بی بی صاحبہ آپ کو اندر بلا رہی ہیں۔'' ساتھ ہی آٹو میٹک آہنی گیٹ کھلتا چلا گیا۔

وہ اسی طرح سینے پر ہاتھ باندھے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی روش پر آگے بڑھنے لگی۔ روش کے پتھروں پہ اس کی ہیل کی ٹک ٹک گونجنے لگی۔ برآمدے سے اندر کھلنے والے لکڑی کے دروازے کے ساتھ کھڑے باوردی ملازم نے اسے آتے دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے اندر داخل ہوئی۔

لاؤنج بہت پُرتعیش انداز میں سجایا گیا تھا۔ بھاری مخملیں پردے، قیمتی صوفے، نرم قالین، چھت سے لٹکتے کانچ کے فانوس، دیواروں پہ آویزاں بیش قیمت پینٹنگز۔ نرم قالین پہ اس کے جوتوں کی آواز ختم ہوگئی تھی، وہ آہستگی سے چلتے ہوئے بڑے بڑے صوفے پر بیٹھی شہلا جہانگیر کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

شہلا کڑی نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ سلک کی بلیو ساڑی میں ملبوس، نفاست سے بالوں کو اونچے جوڑے میں باندھے، لمبی صراحی دار گردن سے چپکا ہیروں کا نازک سا ہار، کانوں میں آویزے، وہ ایک شان سے صوفے پر بیٹھی تھیں۔ ساڑی سے باہر جھلکتے بازو کی کہنی کو صوفے کے ہتھے پہ ٹکائے ہاتھ میں اورنج جوس سے بھرا گلاس پکڑ رکھا تھا۔ ایک نظر میں شہلا نے اوپر سے نیچے تک اس لڑکی کا جائزہ لے ڈالا۔ سادہ سی شلوار قمیص، کندھے پر دوپٹا، دوسرے شانے سے لٹکتا قدرے بڑا سا ہینڈ بیگ، شولڈر کٹ سیاہ بال اور بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، وہ بہت اعتماد سے سینے پر ہاتھ باندھے ان کے سامنے کھڑی تھی۔

''کون ہو تم؟''

''منال جہانگیر شاہ۔''

''تم نام بتا چکی ہو، آگے بتاؤ کون ہو تم؟'' نخوت سے سر جھٹکتے ہوئے شہلا نے گلاس لبوں سے لگایا۔

''کیا میرے نام سے آپ کو اندازہ نہیں ہوتا؟''

''تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تم جہانگیر شاہ کی کوئی تیسری بیوی ہو؟ اگر تم یہی کہنا چاہتی ہو تو کہہ ڈالو، مجھے شاک نہیں لگے گا۔'' وہ ہولے سے مسکرادی۔

''بہت باخبر لگتی ہیں اپنے شوہر کے اعمال سے۔''

''میں نے کہا نا لڑکی، مجھے تمہاری اس بات

سے کبھی شاک نہیں لگے گا کیونکہ میں جانتی تھی وہ کبھی نہ کبھی مجھے بتائے بغیر شادی کرلے گا۔''

''اور گناہ؟ وہ گناہ کرنے سے قبل آپ کی اجازت لیتے ہیں؟''

''شٹ اپ!'' وہ ایک دم دھاڑیں۔

''اپنی انرجی بچا کر رکھیں مسز شاہ، ابھی آپ کو بہت دفعہ مجھے شٹ اپ کال دینی پڑے گی۔''

''مختصر بات کرو۔''

''شیور، آپ جہانگیر شاہ سے کہیں، مجھے میرا حصہ دے دیں، اور اپنا نام بھی۔'' شہلا کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

''جہانگیر کیوں تمہیں کچھ دے؟ تمہارا کیا تعلق ہے اس سے؟ شادی کا وعدہ کررکھا ہے اس نے کیا؟'' منال نے ہولے سے نفی میں سر ہلایا۔

''کیا میری آنکھیں بھی آپ کو کچھ نہیں بتاتیں، مسز شاہ! میری آنکھوں میں دیکھیں اور سنیں، میں جہانگیر شاہ کی بیٹی ہوں، ان کے ایک پرانے گناہ کا ثبوت۔''

گلاس شہلا کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ چھناکے کی آواز آئی اور قالین پر کرچیاں بکھر گئیں۔

''اب شاک لگا آپ کو؟ حالانکہ میں یہ سب آپ کو بتانا نہیں چاہتی تھی...... بدقسمتی سے میں اپنے باپ سے بہت پیار کرتی ہوں، اور ان کے اتنے بڑے راز کو کھولنا میرے لیے کتنا تکلیف دہ ہے، آپ اندازہ بھی نہیں کرسکتیں لیکن میں مجبور ہوں۔ میری وہ ماں جس سے میرے باپ نے کبھی شادی نہیں کی وہ مہینا بھر پہلے مرگئی ہے۔ مجھے جہانگیر شاہ کی دولت نہیں چاہیے، مجھے وہ عزت اور نام چاہیے جو میرا حق ہے اور جس سے اتنے برس میں محروم رہی۔''

''نہیں!'' وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ''تم جھوٹ بول رہی ہو۔''

''مجھے معلوم تھا مجھ پر پہلا الزام جھوٹ کا ہی لگے گا۔ سو جو ثبوت مل سکے وہ ساتھ ہی لائی ہوں۔'' اس نے کندھے سے پرس اتار کر کھولا اور ایک فائل اندر سے نکالی۔

''اس میں تیئس برس قبل اسی شہر کے ایک اسپتال کا بل ہے جو میری پیدائش پر جہانگیر شاہ نے ادا کیا تھا۔ اور بذریعہ چیک پے منٹ کا سارا ریکارڈ ہے۔ آپ اپنے شوہر کے اکاؤنٹ نمبر کو تو پہچانتی ہوں گی۔'' اس نے فائل ان کے سامنے میز پر رکھی اور سیدھی ہوئی۔ ''اس میں ان تمام چیکس کا ریکارڈ بھی ہے جو دس برس پہلے تک میری ماں کو جہانگیر شاہ کی طرف سے تنخواہ کے علاوہ ماہانہ جاتے تھے۔ اس سے قبل وہ بطور ایک ورکر آپ کے شوہر کی فیکٹری میں کام کررہی تھیں۔ اس میں میری ڈی این اے رپورٹ بھی ہے جو سامنے رکھ کر آپ اپنے شوہر کا ڈی این اے ٹیسٹ کرواسکتی ہیں۔ میں اپنا برتھ سرٹیفکیٹ اس لیے نہیں لائی کیونکہ اس پر میری ماں نے غلط نام لکھوایا تھا، شاید میرے باپ کے کہنے پر۔''

وہ جو سفید چہرہ لیے میز پر رکھی فائل کو دیکھ رہی تھیں، ایک دم آگے بڑھیں اور فائل اٹھائی، پھر وحشیانہ انداز میں صفحے پلٹنے لگیں۔ جیسے جیسے وہ پڑھتی جاتی تھیں ان کا رنگ سفید پڑتا جاتا تھا۔

''شہلا...... شہلا......'' کوئی سیڑھیوں سے اترتا ہوا انہیں پکار رہا تھا۔ وہ دونوں بیک وقت پلٹیں۔ قیمتی تھری پیس سوٹ میں ملبوس کلائی پر گھڑی باندھے، جہانگیر شاہ سیڑھیاں اتر رہے تھے، وہ خاصے دراز قد اور ہینڈسم تھے، کنپٹیوں سے سفید ہوتے بال، قابلِ رشک صحت اور بڑی بڑی سیاہ

آنکھیں۔ شہلا نے کبھی ان آنکھوں کو اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا جتنا وہ آج دیکھ رہی تھیں۔

''تم شام میں تیار رہنا، میں ڈرائیور......''

الفاظ ان کے لبوں پہ رہ گئے، وہ آخری سیڑھی پہ ٹھٹک کر رکے، ایک نظر منال کو دیکھا، اور پھر شہلا کو۔

''یہ کون ہے؟'' انہوں نے آنکھوں کی زبان میں پوچھا۔

''تمہاری کوئی ورکر تھی جس کی بچی کی ڈلیوری کا بل تم نے بھرا تھا؟'' وہ غصے سے بل کھاتی فائل ہاتھ میں لیے کھڑی ہوئیں۔

''کون؟'' جہانگیر شاہ کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔ منال نے پلٹ کر ان کو دیکھا اور بولی۔

''بلقیس مراد...... جو آپ کی فیکٹری میں کام کرتی تھیں، جو ایک مہینے قبل ٹی بی سے مر چکی ہیں۔''

وہ بری طرح چونکے۔

''بلقیس کی ڈیتھ ہو گئی؟'' الفاظ ان کے لبوں سے پھسلے، اور شہلا کو ان کے سارے جواب مل گئے۔ وہ آگے بڑھیں اور فائل ان کے سینے پر دے ماری۔

''ہاں بلقیس کی ڈیتھ ہو گئی ہے اور وہ تمہارے لیے تمہارے گناہوں کا ثبوت چھوڑ گئی ہے، بی بی جان کہتی تھیں تم سدھر گئے ہو، تم پارسا بن گئے ہو، مگر نہیں جہانگیر شاہ، تم کبھی سدھر ہی نہیں سکتے تھے۔'' وہ ایک دم چلانے لگیں۔

''کیا کہہ رہی ہو؟'' انہوں نے حیرت بھری ناگواری سے زمین پر گری فائل اٹھائی اور اسے کھولا۔

''ہاں میں نے بلقیس کا بل بھرا تھا، مگر اس میں کیا قباحت ہے؟ ہاں ٹھیک ہے یہ چیک بھی میں نے اس کو بھجوائے تھے مگر وہ ضرورت مند تھی۔'' وہ صفحے الٹاتے حیرت سے کہہ رہے تھے۔ شہلا نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔

''وہ ضرورت مند اس لیے تھی کہ وہ تمہاری رکھیل تھی؟ اور یہ اس کی بیٹی منال تمہاری ناجائز اولاد۔'' ایک جھٹکے سے جہانگیر شاہ نے سر اٹھایا۔

''میری اولاد؟ کیا بکواس ہے یہ؟'' وہ اسے دیکھ کر گرجے، جو قدرے فاصلے پر کھڑی تھی۔

''میں اپنا نام اور مقام لینے آئی ہوں سر! شاید مجھے آپ کو پاپا کہنا چاہیے جیسے آپ کے بچے کہتے ہوں گے۔'' وہ بولی تو اس کی آواز میں صدیوں کی تھکن تھی۔

''کیا بک رہی ہو؟ میں تمہیں جانتا تک نہیں ہوں۔'' انہوں نے فائل پوری قوت سے زمین پر دے ماری۔

''مگر تم بلقیس کو تو جانتے ہو جہانگیر...... تمہارے چہرے پر اس کا نام سن کر آنے والے تاثرات ہی مجھے سب سمجھا گئے ہیں، تم نے اچھا نہیں کیا جہانگیر! اتنا بڑا گناہ؟''

''شہلا...... شہلا میرا یقین کرو یہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہے۔'' ان کا غصہ اب پریشانی میں ڈھلنے لگا تھا...... ''یہ میری جائداد کے پیچھے ہے، اسکینڈل بنا کر مجھے بلیک میل کرنا چاہتی ہے۔''

''مجھے آپ کی جائداد نہیں چاہیے۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔ ''مجھے صرف آپ کا نام، آپ کا پیار چاہیے، آپ جانتے ہیں میں آپ کی بیٹی ہوں پھر آپ مجھے اپنا کیوں نہیں لیتے؟''

''بند کرو بکواس اور نکل جاؤ یہاں سے گارڈ، گارڈ غیاث!'' وہ غصے سے کانپتے نوکروں کو آوازیں دینے لگے تھے۔ منال نے گالوں پر لڑھکتے آنسو ہتھیلی کی پشت سے پونچھے، جھک کر زمین پر گری فائل اٹھائی، اور سر جھکائے دروازے کی سمت چل دی۔

''اگر آج کے بعد تم مجھے اس گھر میں دکھائی دیں تو میں تمہاری جان لے لوں گا، اتنا بڑا الزام لگاتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئی؟ بلقیس پر کتنے احسان کیے میں نے اور تم مجھے یہ صلہ دے رہی ہو؟ ناؤ گیٹ لاسٹ۔'' وہ سر جھکائے، فائل سینے سے لگائے، ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولنے ہی لگی تھی۔

''رکو لڑکی!'' شہلا تیزی سے آگے بڑھیں۔

''جی؟'' ڈور ناب پر ہاتھ رکھے، منال نے پلٹ کر ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا۔

''تم کہیں نہیں جاؤ گی، اگر تم اسی شخص کی بیٹی ہو تو یہیں رہو گی، جب تک فیصلہ نہ ہو جائے۔''

''شہلا! یہ لڑکی فراڈ ہے، تم کیا کر رہی ہو؟''

''میں نے کہا نا جہانگیر، یہ لڑکی تب تک اس گھر میں رہے گی جب تک یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ یہ تمہاری بیٹی ہے یا نہیں، تم اس طرف آؤ۔'' وہ آگے بڑھیں اور کلائی سے منال کو تھامے قریباً کھینچتے ہوئے راہداری کی طرف لے گئیں۔

جہانگیر شاہ غصے سے پیر پٹخ کر دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ زندگی میں پہلی دفعہ انہیں یہ کوٹھی شہلا کے نام کر دینے پر پچھتاوا ہوا تھا۔ شدید پچھتاوا۔

☆☆☆

اس نے آہستہ سے ورق کا کنارہ موڑا، پھر قرآن مجید کو بند کیا، اور نرمی سے آنکھوں سے لگایا۔ دور درختوں پر چڑیاں بولنے لگی تھیں، اس سہانی صبح وہ برآمدے میں بچھے تخت پر بیٹھی تلاوت سے فارغ ہوئی تھی اور اب احتیاط سے قرآن پاک کو غلاف میں لپیٹ رہی تھی۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں دمکتے اس کے چہرے پر عجیب چاشنی بکھری تھی۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں غلاف کی ڈوری پر جھکی تھیں جس کو اس کی نازک مومی انگلیاں باندھ رہی تھیں، ماتھے سے جھولتی بھوری گھنگھریالی لٹ گال سے ٹکرا رہی تھی۔

''مہر ماہ!'' ڈوری باندھتی اس کی انگلیاں تھمیں، اس نے آہستہ سے گردن موڑی۔ طویل برآمدے کے اس پار باغیچے کی گھاس پر رضا کھڑا تھا۔ مہر ماہ کا دل زور سے دھڑکا۔ ہر طرف بہار سی اتر آئی تھی، اس نے آہستہ سے غلاف میں لپٹے قرآن کو برآمدے کی دیوار میں بنے شیلف میں رکھا، اور دوپٹے کو پہلے سے زیادہ پھیلاتی اس کی طرف بڑھی۔

''السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟'' وہ برآمدے کے ستون کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ رضا نیچے گھاس پر کھڑا تھا۔ سیاہ شلوار قمیص پہنے، کندھوں پر شال ڈالے، سنجیدہ وجیہہ چہرہ، اور خوب صورت آنکھیں جو جہانگیر شاہ کے گھر کی عورتوں کو دیکھ کر خود بخود جھک جایا کرتی تھیں۔

''اللہ کا شکر ہے، آپ ٹھیک ہیں؟'' اس نے آہستہ سے سر اثبات میں ہلا دیا۔ رضا کے سامنے وہ یونہی الفاظ کھونے لگتی تھی۔

''بی بی جان کدھر ہیں مہر ماہ؟''

''اندر ہیں۔ خیریت؟'' اسے وہ ذرا پریشان لگا تھا۔

''نہیں، خیریت نہیں ہے۔ آپ بی بی جان کو بلا دیں، مجھے ان سے ضروری بات کرنی ہے۔''

''آپ اندر آ جائیں۔'' اس نے راستہ چھوڑ دیا۔ وہ حد سے زیادہ تکلف اور احتیاط کا قائل تھا۔

جب بھی شہر سے آتا، گھنٹوں حویلی کے برآمدے میں کھڑا رہتا اور جب تک بلایا نہ جاتا، وہ اندر قدم رکھنے کا عادی نہ تھا لیکن اب کے وہ ایک طرف ہوئی تو وہ تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گیا۔

ایسی کیا ضروری بات ہے جو وہ فون پہ کرنے کے بجائے خود چلا آیا ہے؟ مہر ماہ کو ایک نئی پریشانی نے آن گھیرا۔ وہ لب کاٹتی ہوئی اس کے پیچھے ہولی۔

وہ بی بی جان کے کمرے کے باہر دروازے پہ دستک دے رہا تھا۔ مہر ماہ کی طرف اس کی پشت تھی۔

''آجاؤ مہر ماہ۔'' بند دروازے کے پیچھے سے آواز آئی۔

''میں ہوں، رضا۔''

''ارے رضا، آؤ آؤ۔'' رضا نے دروازہ دھکیلا۔ وہ چرر کی آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔

مہر ماہ کو اندر جانا مناسب نہیں لگا۔ وہ وہیں دیوار کی اوٹ میں کھڑی ہوگئی۔ اس کی سماعت ان دونوں کی گفتگو پہ مرکوز تھی۔

''کیسے آنا ہوا صبح ہی صبح، رضا؟'' دروازے کی درز سے اس نے دیکھا، وہ ادب سے ان کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''مجھے شہلا بی بی نے بھیجا ہے۔''

''خیریت؟'' بی بی جان کی آواز میں پریشانی در آئی۔

''بولو رضا!'' وہ کافی دیر خاموش رہا تو بی بی جان کو کہنا پڑا۔

''عجیب سی بات ہے بی بی جان۔''

''تم کہہ ڈالو۔''

''آج شہلا بی بی کے پاس ایک لڑکی آئی ہے، اپنا نام منال بتاتی ہے اور ...... اور کہتی ہے کہ وہ جہانگیر شاہ کی بیٹی ہے۔''

مہر ماہ نے بے اختیار سینے پہ ہاتھ رکھا۔

''کیا کہہ رہے ہو رضا؟ کون ہے وہ؟ کون ہے اس کی ماں؟''

''وہ کہتی ہے اس کی ماں سے جہانگیر شاہ نے شادی نہیں کی تھی، مگر خرچہ پانی دیتے رہے ہیں۔''

''رضا!'' بی بی جان اتنے کرب سے چلائیں کہ در و دیوار ہل گئے۔

''جہانگیر کیا کہتا ہے؟'' بہت دیر بعد وہ بول پائی تھیں۔

''وہ انکار کر رہے ہیں۔''

''تو شہلا کیا چاہتی ہے؟''

''شہلا بی بی نے اسے گھر رکھ لیا ہے، اور وہ چاہتی ہیں کہ آپ آئیں اور کوئی فیصلہ ہوتا کہ اس لڑکی کو اس کا حق ملے اگر وہ سچی ہے تو اور اگر وہ جھوٹی ہے اسے سزا دی جائے۔'' وہ ان کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''تم تو ڈاکٹر ہو رضا، تم تو جہانگیر کا پورا اسپتال سنبھالتے ہو، تم بتاؤ، کیا ایک ہی ٹیسٹ سے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ نہیں ہو جائے گا؟'' ان کی آواز کپکپا رہی تھی۔

''بالکل ہو جائے گا اور وہ لڑکی اس کے لیے تیار ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں اس معاملے کو خود دیکھتی ہوں۔ وہ کسی اور کا گناہ میرے بیٹے کے سر تھوپ رہی ہے، جہانگیر چھپ کر شادی تو کر سکتا ہے مگر ایسا گناہ نہیں۔ تم شہلا سے کہو وہ بے فکر رہے، مجھے یقین ہے جہانگیر بے قصور ہے۔''

''بہت بہتر!'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بی بی جان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو رضا؟''

''نہیں بی بی جان۔''

''تمہیں تب سے جانتی ہوں جب تم ایک سال کے تھے۔ جب رکھی نے مرتے وقت تمہیں میرے حوالے کیا تھا۔'' انہوں نے ایک پرانی مزارعن کا نام لیا۔ ''تب سے تم ہمارے پاس رہے ہو رضا، اب تم مجھ سے کچھ چھپا نہیں سکتے۔ بولو، کیا بات تمہیں پریشان کر رہی ہے۔''

''بی بی جان...... آپ جانتی ہیں شہلا بی بی نے اس لڑکی کو گھر میں کیوں رکھ لیا ہے؟''

''جانتی ہوں، شہلا کو جہانگیر پر شک کرنے کی بری عادت ہے۔''

''نہیں بی بی جان۔'' اس نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا تو وہ چونکیں۔

''پھر؟''

''اس کی آنکھیں...... اس لڑکی کی آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ ہیں، وہ بہت شناسا لگتی ہیں۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

سینے پر ہاتھ رکھے، دیوار کا سہارا لیے کھڑی مہر ماہ پتھر ہوگئی تھی۔

☆☆☆

''مس منال!'' بٹلر غیاث نے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا، وہ جو اکڑوں بیٹھی، گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے تھی، چونک کر سیدھی ہوئی۔

''کم اِن۔'' دروازہ آہستہ سے کھلا...... سامنے باوردی بٹلر مودب سا کھڑا تھا۔

''میم آپ کو ڈائننگ ہال میں بلا رہی ہیں۔ ڈنر کا ٹائم ہو گیا ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں آتی ہوں۔'' وہ آہستہ سے اٹھی، پیروں میں سلیپر ڈالے اور سنگھار میز کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اس کا سامان ڈرائیور کو بھیج کر شہلا جہانگیر نے صبح ہی منگوا لیا تھا جو اس نے ساتھ والی خالہ فیروزہ کے پاس رکھوایا ہوا تھا۔ اماں کے مرنے کے بعد جب مالک مکان نے گھر خالی کروایا تھا تو وہ خالہ فیروزہ کے پاس ہی رہتی رہی تھی۔

اس نے آئینے میں خود کو دیکھا، سادہ لان کا سوٹ، کندھوں تک کٹے بال اور صاف، شفاف سا چہرہ، وہ اس گھر کے مکینوں سے کتنی مختلف لگتی تھی۔ کیا وہ بھی اس کو قبول کر پائیں گے؟ سر جھٹک کر وہ آئینے کے سامنے سے ہٹی۔

ڈائننگ ہال کی چھت سے لٹکتے فانوس جگر جگر چمک رہے تھے۔ سارے میں ان کی روشنی پھیلی تھی۔ بڑی سی آبنوسی ڈائننگ ٹیبل کی سربراہی کرسی پر جہانگیر شاہ براجمان تھے۔ سادہ شلوار قمیص میں ملبوس، وہ چاولوں سے بھری پلیٹ پر رائتا ڈال رہے تھے۔ ان کے دائیں ہاتھ پہلی کرسی پر شہلا بیٹھی تھیں وہ پلیٹ میں چمچ چلاتی، جیسے بے چین سی بیٹھی تھیں۔ دوسری جانب ایک اٹھارہ انیس برس کی لڑکی بیٹھی کھانا کھا رہی تھی، جینز اور ٹاپ میں ملبوس، اس کے لمبے لمبے بالوں میں پنک، ریڈ اور گرین کلر کی ایکسٹینشن لگی تھیں۔ چندلٹوں کی پتلی پتلی چوٹیاں بھی بنائی ہوئی تھیں، کلائی میں پتھروں سے بھرے بہت سارے کڑے تھے۔ اس کے سیاہ ٹاپ کے اوپر بڑا سا ڈھانچہ بنا تھا جو سگریٹ پی رہا تھا، وہ یقیناً جہانگیر اور شہلا کی چھوٹی بیٹی سوہنی تھی۔ اس کے ساتھ اکیس بائیس برس کا لڑکا بیٹھا تھا۔ اس نے بھی بالوں کو اوٹ پٹانگ گھنگرالا سا اسٹائل بنا رکھا تھا۔ وہ جہانگیر کا اکلوتا بیٹا حسنین تھا۔ وہ جانتی تھی۔

''السلام علیکم!'' اس نے دھیمے سے لہجے میں سلام کیا تو سب چونک اٹھے۔

سوہنی حسنین کے چہرے پر حیرت بھری

الجھن ابھری۔ انہوں نے پہلے باپ کو دیکھا جو ناگواری سے منال کو دیکھ رہے تھے اور پھر ماں کو جو شاید بے چینی سے اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔

''آؤ منال!'' انہوں نے اپنے ساتھ والی کرسی کھینچی تو وہ سر جھکائے اس پر بیٹھ گئی۔

''تم ابھی تک ادھر ہو؟'' جہانگیر شاہ نے دبے دبے غصے سے پلیٹ پرے دھکیلی۔

''یہ اب یہیں رہے گی، جب تک فیصلہ نہیں ہو جاتا۔''

''بٹ ہو اِز شی؟'' سوہنی نے ناپسندیدگی سے اس کو دیکھا۔

''تمہاری بہن!'' ساتھ ہی شہلا نے ایک شعلہ بار نگاہ جہانگیر پر ڈالی۔

''واٹ؟'' وہ دونوں شاکڈ رہ گئے۔

منال نے جھکا سر مزید جھکا لیا۔

''یہ سب بکواس ہے، یہ لڑکی فراڈ ہے، میں اس کو جانتا تک نہیں ہوں، میں کہتا ہوں نکل جاؤ تم یہاں سے۔''

''یہ کہیں نہیں جائے گی، اچھا ہے تمہاری اولاد کو بھی پتا چلے اپنے باپ کی عیاشیوں کا، سوہنی، سنی، یہ تمہارے باپ کی کسی پرانی محبوبہ کی ناجائز اولاد ہے، تمہاری بہن...... اس کی شکل بتا رہی ہے کہ یہ کون ہے، باقی ڈی این اے ٹیسٹ سے سب کلیئر ہو جائے گا۔''

''مائی فٹ!'' وہ تلملا کر اٹھے، پلیٹ زور سے اچھالی تو وہ شیشے کے جگ سے جا لگی۔ جگ لڑھکا اور سارا پانی نیچے بہہ گیا۔ وہ غصے سے بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گئے۔ سوہنی اور حسنین اجنبی نظروں سے منال کو دیکھ رہے تھے۔

''خیر تم لوگ کھانا کھاؤ، اور تم بھی کھاؤ منال۔'' مگر وہ دونوں اسی طرح ہاتھ چھوڑے بیٹھے رہے۔

''یہ ہماری بہن نہیں ہے مام۔'' حسنین نے کانٹا پلیٹ میں واپس رکھ دیا۔

''اور میری ایک ہی بہن ہے، مہر ماہ۔'' سوہنی نے اپنی پلیٹ پرے کھسکائی۔

''سوہنی ٹھیک کہہ رہی ہے مام، ہم مہر ماہ کے علاوہ کسی کو اپنی بہن نہیں مانتے۔'' منال نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھا اور پھر شہلا کو۔

''یہ بھی تمہاری ویسی ہی بہن ہے جیسے مہر ماہ ہے۔''

''نو وے مام...... مہر ماہ کی مدر سے پاپا نے شادی کی تھی، آپ سے بھی پہلے، وہی ان کی بیٹی ہے...... ہم اور کسی کو بہن نہیں مان سکتے۔'' حسنین کرسی دھکیلتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ ہمیشہ پاپا پہ شک کرتی رہی ہیں کہ کبھی نہ کبھی ان کی کوئی ناجائز اولاد نکل آئے گی، اسی لیے آپ اس کی بات مان رہی ہیں، ورنہ یہ ہمارے پاپا کی بیٹی کہیں سے نہیں لگتی......''

''اس کی آنکھیں دیکھو...... حسنین۔'' شہلا نے کہنا چاہا مگر وہ کچھ سننے کو تیار نہ تھا۔

''دنیا بھری پڑی ہے بڑی بلیک آئیز والی لڑکیوں سے مام...... فار گاڈ سیک، یوز یور برینز!'' وہ سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔ سوہنی بھی ناک سکیڑتی اس کے پیچھے چلی گئی۔

''تم کھانا کھاؤ، اگر تم بچی ہو تو میں تمہیں تمہارا حق دلوا کر رہوں گی اور ان بچوں کی فکر مت کرنا...... سوہنی، حسنین اور مہر ماہ، ان تینوں کا آئیڈیل ان کا باپ ہے، تم کھانا شروع کرو۔'' وہ نخوت سے سر جھٹک کر کہہ رہی تھیں۔ منال نے آہستہ سے چاولوں

کی ڈش اپنے قریب کی، اور پلیٹ میں چاول نکالنے لگی۔ میز کے کنارے پر لڑھکے جگ سے پانی اسی طرح نیچے فرش پر گر رہا تھا۔

☆☆☆

''بی بی جان!'' اس نے ہولے سے دروازے پہ دستک دی، پھر اسے ذرا سا دھکیلا۔ وہ اپنے پلنگ پہ بیٹھی تھیں، دروازے کی جانب پشت تھی۔ سفید کڑھائی والے بڑے سے دوپٹے میں لپٹا ان کا معمر وجود مہر ماہ کو سوگوار لگا تھا۔ وہ رضا کے جانے کے بعد سے یونہی کمرے میں بند تھیں۔ کھانے کے لیے باہر بھی نہیں آئی تھیں اور جو ٹرے اس نے اندر بھجوائی تھی وہ یونہی ان چھوئی واپس آ گئی...... اس کا دل دکھا تھا۔

''کھانا لگ گیا ہے بی بی جان...... کچھ تو کھا لیں، آپ نے دوپہر میں بھی کچھ نہیں کھایا۔'' وہ فکرمندی سے کہتے ان کے قریب چلی آئی اور سامنے سے آ کر ان کا چہرہ دیکھا تو وہ واقعی بہت سوگوار لگ رہا تھا۔

''میں کھا لوں گی مہر ماہ، تم یہیں بھجوا دو۔''

''جیسے دوپہر میں آپ نے کھا لیا تھا، ہے نا؟''

''مجھے بھوک نہیں ہے بچے۔'' اسے لگا انہوں نے عینک کے پیچھے ضعیف آنکھوں میں اتر آنے والی نمی اندر اتاری ہے۔

''بی بی جان...... میری پیاری بی بی جان...... یا وہ جیسے سوہنی کہتی ہے، مائی ڈیئر گرینی...... ایسے اداس کیوں بیٹھی ہیں؟'' وہ پنجوں کے بل ان کے سامنے زمین پر آ بیٹھی اور ہاتھ ان کے گھٹنوں پہ رکھ دیے۔

''بس طبیعت ذرا سی خراب ہے۔''

''اور یہ رضا کے آنے کے بعد ہی ہوئی ہے نا۔'' انہوں نے چونک کر اسے دیکھا تو وہ رسان سے مسکرا دی۔

''مجھے دیواروں کی اوٹ سے باتیں سننے کی بری عادت ہے بی بی جان۔''

''تو نے سب سن لیا؟'' وہ جیسے پریشان ہوئیں۔

''سن بھی لیا تو کیا ہوا؟ مجھے یقین ہے بابا جان بے قصور ہیں، یہ ان کے خلاف کوئی سازش ہے۔''

''پر مجھے کیوں یقین نہیں ہے؟''

''کیونکہ رضا نے کہا تھا، اس کی آنکھیں بالکل بابا جان جیسی ہیں۔''

''اس کے بعد میں کیا یقین کروں مہری؟'' ان کی آنکھوں میں نمی در آئی۔

''یقین رکھیں بی بی جان، کیونکہ اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا، رضا نے تو شاید ہی کبھی بابا جان کی آنکھیں غور سے دیکھی ہوں، ہر وقت تو اپنے جوتوں کو دیکھتا رہتا ہے۔''

''ارے پگلی!'' وہ ہولے سے ہنس دیں۔ ''وہ تو بس عورتوں کے سامنے جھکائے رکھتا ہے ورنہ تمہارے بابا جان کے ساتھ تو وہ برسوں سے ہے۔ اس کی ماں جب اس کو حویلی میں چھوڑ کر مری تھی تو وہ سال بھر کا تھا اور اب اٹھائیس کا ہوگا۔ برسوں کا ساتھ ہے اس کا اور جہانگیر کا۔ اسپتال نہیں سنبھالتا، بلکہ زمینوں کے بھی بہت سے معاملات دیکھتا ہے۔ اس سے زیادہ جہانگیر کسی پہ بھروسا نہیں کرتا، آج تک اسے مزارع کی اولاد نہیں سمجھا، بلکہ بیٹوں کا سا مان دیا ہے، بھلا وہ جہانگیر کی آنکھیں نہیں پہچانتا ہوگا؟''

''آپ سے بڑھ کر پھر بھی نہیں پہچان سکتا۔ جب تک آپ خود نہ دیکھ لیں، کوئی فیصلہ نہ کریں۔''

''اب کون سے فیصلے رہ گئے ہیں مہر ماہ!''

انہوں نے دوپٹے کے پلّو سے آنکھوں کے کنارے پونچھے۔ ''میرا برسوں کا مان خاک میں مل گیا، کتنے فخر سے میں شہلا کو یقین دلاتی تھی کہ وہ رخسار والا قصہ بس من گھڑت ہے مگر اس نے کبھی یقین نہیں کیا، اور اب تو وہ خود کو حق بجانب سمجھے گی اگر بات سچ ہوئی تو لوگ سمجھیں گے وہ رخسار والی بات بھی ٹھیک تھی۔''

مہرماہ کو یاد تھا رخسار والا قصہ وہ کئی دفعہ شہلا کی زبانی سن چکی تھی۔ اب بی بی جان نے پھر سے ذکر کیا تو شہلا کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

''تمہاری ماں فیروزہ کے چالیسویں پہ ہوا تھا یہ سب۔ رخسار فیروزہ کی ماموں زاد تھی۔ جہانگیر سے ہمیشہ سے شادی کی خواہش مند تھی۔ خیر چالیسویں کے روز جب حویلی مہمانوں سے بھری پڑی تھی، اوپر جہانگیر کے کمرے سے شور بلند ہوا۔ سب دوڑے دوڑے گئے تو رخسار بال بکھیرے، لباس پھاڑے چلا رہی تھی۔ اس نے جہانگیر پر دست درازی کا الزام لگایا تھا۔ اس وقت تو جہانگیر غیظ وغضب دکھا کر کہ یہ خود اس کے کمرے میں گھس کر اسے پھنسانے کے لیے ڈراما کر رہی ہے، معاملہ رفع دفع کر دیا۔ مگر بعد میں خوب خوب باتیں بنیں پھر فیروزہ کے انتقال کے سال بھر بعد جب تم ڈیڑھ برس کی تھیں، جہانگیر نے مجھ سے شادی کی تو میں نے چند ملازموں کی زبانی یہ قصہ سنا۔ بی بی جان تو تب سے یہی کہتی آئی ہیں کہ رخسار نے یہ سب ڈراما اس لیے کیا کہ شرمندگی کے مارے جہانگیر سے اس کی شادی کرادی جائے گی مگر مجھے سیریسلی ابھی تک یقین نہیں آیا۔''

''اب شہلا سے کیسے نگاہ ملا پاؤں گی میں؟'' بی بی جان کی آواز پہ وہ چونکی پھر ہولے سے سر جھٹکا، سفید دوپٹا اس کے نرم بھورے بالوں سے پھسل کر شانے پہ آ گرا تھا۔

''آپ بابا جان پہ بھروسا رکھیں، کسی اجنبی کی بات پہ اپنے بیٹے کو کٹہرے میں نہ کھڑا کریں۔ سب معاملہ صاف ہو جائے گا۔ آپ بے فکر ہو کر شہر جائیں...... پیچھے حویلی میں، میں کافی ہوں۔''

''وہ تو میں جانتی ہوں۔'' وہ نم آنکھوں سے مسکرائیں۔ ''اللہ تیرے نصیب اچھے کرے، اللہ تیرا بہترین جوڑ بنائے......'' اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر انہوں نے دعا دے ڈالی۔ مہرماہ کی نگاہیں جھک گئیں، اس نے دھیرے سے شانے پہ ڈھلکا آنچل اٹھا کر سر پر رکھا۔ بی بی جان کی دعا پہ نہ جانے کدھر سے اس کی آنکھوں میں رضا کا عکس لہرایا تھا۔

☆☆☆

میوزک کا بے ہنگم شور سونی کے کمرے سے بلند ہو رہا تھا۔ جے لو کا کوئی نمبر پورے والیوم سے اندر بج رہا تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا مگر آواز گویا سارے گھر میں گونج رہی تھی۔ سیڑھیوں سے اتر کر حسنین نے رک کر بند دروازے کو دیکھا، پھر آگے بڑھ کر زور سے دروازہ بجایا۔

''سونی...... بند کرو یہ شور!'' دروازہ ہنوز بند رہا اور موسیقی بلند۔

''سونی...... مجھے تم سے بات کرنی ہے...... گاڈ سیک، پہلے اس کو تو بند کرو۔'' اب اس نے خاصے زور سے دروازہ پیٹ ڈالا تو اندر سے آواز ذرا ہلکی کی گئی پھر کھٹاک سے دروازہ کھلا۔

''کیا ہے؟'' وہ دروازے کا ہینڈل پکڑے کھڑی تھی۔ جینز پہ سلیولیس ٹاپ پہنے جس پر کوئی اوٹ پٹانگ سی تصویر بنی تھی، گردن اور کلائیوں کے گرد پتھروں کی مالائیں لپیٹے، لمبے بالوں میں اسی طرح چٹیا اور ایکسٹینشنز لگائے، وہ سوالیہ نگاہوں سے

اسے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے، بٹ فرسٹ اس کو بند کرو۔'' حسنین جھنجلا کر آگے بڑھا اور اسٹیریو بند کیا۔ کمرے میں ایک دم سکون سا چھا گیا۔

''اب اِدھر آ کر بیٹھو۔'' اس نے دروازہ بند کیا پھر ہاتھ سے پکڑ کر سونی کو کارپٹ پہ رکھے کشن پر بٹھایا اور دوسرا کشن کھینچ کر سامنے خود بیٹھا۔

''مگر کیا بات ہے؟''

''تمہیں لگتا ہے کوئی بات نہیں ہے؟ دو دن سے وہ ہمارے گھر میں رہ رہی ہے اور ہم یوں ہیلپ لیس سے بنے بیٹھے ہیں؟''

''تو کیا ہاتھ سے پکڑ کر نکال باہر کریں؟ یو نو واٹ سنی، میں یہ بھی کرنے کو تیار ہوں۔ آئی ریئلی ڈونٹ وانٹ این اَدر سسٹر!'' اس نے اپنی چھوٹی سی ناک سکیڑی۔

''ممی ایسے نہیں کرنے دیں گی، ہمیں اس کا کوئی دوسرا اسلوشن نکالنا پڑے گا۔''

''اور وہ کیا؟''

''ہم ڈسکس کر کے کسی نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔'' چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی، پھر سونی سوچتے ہوئے بولی۔

''سنی، تمہیں لگتا ہے کہ وہ ہمارے ڈیڈ کی بیٹی ہے؟''

''وہ جتنی کانفیڈینٹلی اپنی ڈی این اے رپورٹ لے آئی ہے، اس سے تو ہو سکتا ہے کہ وہ واقعی پاپا کی بیٹی ہو۔''

''سنی!'' سونی نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ ''تمہیں پاپا پہ ذرا بھی ٹرسٹ نہیں ہے؟''

''ہے مگر...... او کے دیکھو سونی، اگر وہ پاپا کی بیٹی ہے بھی تو اس سے میرے دل میں موجود پاپا کی محبت اور ریسپیکٹ بالکل بھی کم نہیں ہوگی اور تب بھی میں اسے یہ ثابت نہیں کرنے دوں گا کہ وہ واقعی ان کی بیٹی ہے۔ فار گاڈ سیک کتنا اسکینڈل بنے گا، میڈیا میں آ جائے گا، میں اپنے فرینڈز کو کیسے فیس کروں گا۔''

''مگر میں نہیں مانتی کہ وہ ان کی بیٹی ہے، وہ ان کی طرح بالکل نہیں لگتی۔''

''خیر سونی، تم اور مہرماہ بھی پاپا کی طرح نہیں لگتے، مہرماہ اپنی امی پہ گئی ہے اور تم بالکل ممی کی کاپی ہو۔ شکل سے کچھ پروو نہیں ہوتا۔''

''ایک منٹ، تم پہلے یہ کلیئر کرو کہ تم پاپا کی سائڈ ہو یا منال کی؟''

''میں صرف اپنی اور تمہاری سائڈ پہ ہوں، پاپا نے اپنی لائف گزار لی ہے اور رہیں ممی...... تو ممی ہمیشہ سے پاپا کا کوئی افیئر پکڑنا چاہتی تھیں۔ وہ منال کی اتنی کیئر اس لیے نہیں کر رہی ہیں کہ وہ پاپا کی بیٹی ہے بلکہ اس لیے کہ وہ ان کے ہاتھ میں ایک سولڈ پروف ہے۔ جس کے ذریعے وہ اپنی ایگو کو سیٹسفائی کر سکتی ہیں۔ پیچھے رہ گئے میں اور تم اگر یہ اسکینڈل پریس یا میڈیا تک پہنچ گیا تو ممی پاپا کو فرق نہیں پڑے گا، بلکہ صرف ہم دونوں کو پڑے گا، ہم لوگوں کو فیس کیسے کریں گے؟''

''اور گرینی؟ واٹ اباؤٹ ہر؟'' سونی نے ابرو اٹھائی۔

''گرینی سے مجھے کوئی امید نہیں ہے، وہ انصاف کرنا چاہیں گی اور آئی ایم شیور کہ اگر منال ہماری بہن پروو ہو گئی تو وہ سب سے پہلے اسے قبول کریں گی۔''

''پھر ہم کیا کریں سنی؟'' وہ مایوسی سے چہرے کے اطراف میں جھولتی پتلی سی چٹیا کو انگلی سے لپیٹ

رہی تھی۔

''ہم اس کو اتنا روڈلی ہیو یئر دیتے ہیں، اس کی بات بات پر اتنی انسلٹ کرتے ہیں کہ وہ خود ہی بددل ہو کر یہاں سے چلی جائے۔''

''تمہیں نہیں لگتا کہ وہ اس سب کے لیے خود کو مینٹلی ریڈی کر کے آئی ہوگی؟''

''کوشش تو کرتے ہیں، اس کے علاوہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟'

''اور مہر ماہ؟ وہ بھی کچھ نہیں کر سکتی کیا؟''

''وہ کیا کر سکے گی؟'' وہ الٹا حیران ہوا۔

''اس کے پاس ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے سنی، بچپن سے اب تک جب بھی ہمیں کوئی پرابلم ہوتی ہے، ہم بالکل پھنس چکے ہوتے ہیں، ہم اس کے پاس جاتے ہیں اور وہ ہمیشہ ہماری ہر پرابلم ایک اسمائل کے ساتھ ٹھیک کر دیتی ہے۔''

''آئی ہوپ کہ اب بھی وہ سب ٹھیک کر دے۔'' حسنین نے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ سونی اسی طرح سوچتے ہوئے چوٹی کو انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔

☆☆☆

راہداری ویران پڑی تھی، مہر ماہ کسی سوچ میں گم دوسری جانب سے چلتی آ رہی تھی۔ دور بی بی جان کے کمرے سے آوازیں آ رہی تھیں وہ یقیناً بانو سے اپنا سامان پیک کروا رہی تھیں، جب بھی انہیں شہر جانا ہوتا، ملازموں کی یونہی شامت آئی رہتی۔ وہ راہداری کے وسط میں آ رکی، ساتھ ہی اونچا سا ٹیلی فون اسٹینڈ پڑا تھا۔ اس نے ایک سوچ میں ڈوبی نگاہ ٹیلی فون پر ڈالی، پھر آہستہ سے اپنی نازک انگلیوں سے ریسیور اٹھایا۔ کوٹھی کا نمبر اسے زبانی یاد تھا۔ ریسیور کان سے لگائے، وہ نگاہیں جھکائے، شہادت کی انگلی سے ایک ایک بٹن پریس کرنے لگی۔ دوسری جانب گھنٹی بجنے لگی تھی۔ وہ گہری سانس لیتی انتظار کرنے لگی۔

''ہیلو؟''

''السلام علیکم غیاث بھائی؟'' وہ آواز پہچان گئی تھی۔

''وعلیکم السلام، مہر ماہ میڈم!'' وہ شاید آواز نہیں پہچانا تھا، بس احترام سے بھرا انداز پہچانا تھا جس میں صرف وہ نرمی سے بولنے والی لڑکی اسے پکارا کرتی تھی۔

''جی میں گاؤں سے مہر ماہ بول رہی ہوں، حسنین گھر پر ہوگا؟''

''ایک منٹ، میں کال ملاتا ہوں۔'' لائن میں ہولڈ کا میوزک بجنے لگا پھر حسنین کی آواز ابھری۔

''ہیئے، مہر ماہ...... کیسی ہو؟''

''میں ٹھیک ہوں حسنین، تم ٹھیک ہو؟'' وہ نرمی سے مسکرائی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں، بلکہ نہیں ہوں۔'' اس کی آواز میں اداسی در آئی۔

''پریشان لگ رہے ہو۔''

''تم جانتی ہو گھر میں کیا ہو رہا ہے؟''

''ہاں کچھ سنا تو ہے پر اتنی چھوٹی سی بات پہ اتنے پریشان کیوں ہو؟''

''یہ چھوٹی سی بات ہے مہر ماہ؟''

''یہ تو ایک دو دن میں حل ہو جانے والی بات ہے، بی بی جان آ رہی ہیں نا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے اپنے ازلی نرم انداز میں تسلی دی۔

''گرینی آ رہی ہیں؟ کب؟''

''کل صبح چلیں گی یہاں سے' پانچ گھنٹے کا

سفر ہے۔''

''مگر وہ کیا کریں گی؟ مجھے لگتا ہے وہ الٹا اس لڑکی کی حمایت ہی کریں گی۔''

''بری بات حسنین، لوگوں کے بارے میں برا گمان نہیں کرتے، تم کیوں فکر کرتے ہو؟ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''مگر کتنا بڑا اسکینڈل بن سکتا ہے، کین یو امیجن؟''

''کچھ نہیں ہوگا، تم بے فکر رہو۔''

''تم...... تم اتنی پُرسکون کیسے رہتی ہو مہر ماہ؟ یہاں گھر کا ماحول اتنا ڈپریسڈ بنا ہوا ہے، اور تم ہمیشہ کی طرح اتنی کام (پُرسکون) ہو؟''

''کیونکہ میں اللہ پر بھروسا رکھتی ہوں حسنین، اللہ ہمیں کبھی رسوا نہیں کرے گا، تم بھی یقین رکھو، سوہنی بیٹھی ہے؟''

''وہ فرینڈز کے ساتھ ہینگ آؤٹ کر رہی ہوگی، ابھی گھر میں تو نہیں ہے۔''

''چلو اس سے پھر بات ہو جائے گی، میں فون رکھ رہی ہوں۔''

''او کے اپنا خیال رکھنا۔'' اس نے آہستہ سے ریسور کریڈل پہ رکھ دیا۔ بی بی جان کے کمرے سے ابھی تک آوازیں آ رہی تھیں، وہ دوپٹا ماتھے سے آگے سرکاتی اس طرف چل دی۔

☆☆☆

وہ کارپٹ پہ اکڑوں بیٹھی، گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھے ہوئے تھی، کندھوں پہ گرتے سیاہ بالوں کو ڈھیلے سے کیچر میں باندھ رکھا تھا۔ چہرے پہ سوچ کی گہری پرچھائیں تھی۔ ایک دم دروازہ بِنا دستک کے کھلا، اور شہلا کا سراپا دکھائی دیا، خوشبو کا ایک جھونکا اندر آیا تھا۔

''منال......!''

''جی......'' اس نے تیزی سے سر اٹھایا پھر خود بھی کھڑی ہوگئی۔

''میں ایک ڈنر پر جا رہی ہوں، رات دیر سے واپسی ہوگی، تم کھانا سب کے ساتھ ڈائننگ روم میں ہی کھانا، او کے؟'' قیمتی ساڑی میں ملبوس، نک سک سے تیار وہ بہ عجلت ہدایات دے رہی تھیں۔

''او کے۔'' اس نے ہولے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میم!'' شہلا جانے کے لیے پلٹیں تو وہ پکار اٹھی۔ وہ رکیں پھر ناگواری سے گردن موڑی۔

''بولو۔'' انہیں واضح طور پر اپنا روکا جانا پسند نہیں آیا تھا۔

''آپ کو میرا یقین ہے؟'' اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

''میرے پاس یہ ڈسکس کرنے کا لیے ٹائم نہیں ہے، فار گاڈ سیک۔'' وہ سر جھٹک کر ٹھک ٹھک چلتی دور ہو گئیں۔

ان کے جانے کے کچھ دیر بعد وہ اپنے کمرے سے نکلی۔ طویل راہداری میں جگہ جگہ بتیاں چمک رہی تھیں، وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی، اِدھر اُدھر دیکھتی آگے بڑھنے لگی۔ ایک دروازے کے آگے پردہ گرا تھا، اس نے وہ جالی دار نفیس سا پردہ ہاتھ میں لے کر ایک طرف سرکایا تو سامنے ڈرائنگ روم آ گیا۔ پُرتعیش، بڑا سا ڈرائنگ روم، دیوار پہ اونچی کھڑکیاں، نرم قالین، چھت سے لٹکتے فانوس، وہ ایک طلسم ہوشربا کے اندر تھی۔ کسی معمول کی سی کیفیت میں وہ آگے بڑھی۔ سینٹر ٹیبل کے وسط میں لرزتی کا ایک ڈیکوریشن پیس رکھا ہوا تھا، سفید کانچ کی گڑیا جو رقص کر رہی تھی۔ بیلرینا۔ اس نے احتیاط سے بیلرینا اٹھائی اور چہرے کے سامنے لائی۔ وہ کانچ کچھ اس مہارت سے تراشا ہوا تھا کہ ہر زاویے سے روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔

''کیا کر رہی ہو تم اِدھر؟'' کوئی دروازے کے قریب زور سے چلایا تھا۔ گھبرا کر اس کے ہاتھ سے گڑیا چھوٹ گئی۔ ایک زوردار چھناکا ہوا اور شیشے کی سینٹر ٹیبل سے ٹکرا کر کانچ ہر سو بکھر گئے۔

''یو ایڈیٹ! بِچ!'' سوہنی وحشیانہ انداز میں آگے بڑھی اور زور سے اس کے چہرے پر تھپڑ مارا۔ گال پر ہاتھ رکھے وہ دو قدم پیچھے کو لڑھکی۔

''تم نے میری بیلرینا توڑ دی، مائی گاڈ، تم نے میری بیلرینا توڑ دی۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی اس کو چھونے کی؟'' کانچ کے ٹکڑے میز پر بکھرے ہوئے تھے اور سوہنی غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

''نہیں، آئی ایم سوری، میں غلطی سے......'' وہ گال پر ہاتھ رکھے قدم قدم پیچھے ہو رہی تھی۔

''آئی وِل کِل یو، تم...... تمہاری اتنی ہمت کہ تم ہمارے گھر میں گھومو پھرو۔'' وہ ٹوٹی گڑیا کو دیکھ کر پاگل ہوتی دوبارہ اس کی طرف بڑھی کہ کسی نے دونوں کلائیوں سے اسے پکڑ کر روکا۔ وہ تیورا کر گھومی۔ پیچھے رضا کھڑا تھا۔

''رضا بھائی...... اس نے میری......''

''ششش...... سوہنی...... بچے...... آرام سے...... آرام سے...... بیلرینا اور آ جائے گی، اس طرح اس کو مارو تو نہیں۔'' اس نے رسان سے سمجھاتے ہوئے اسے کلائیوں سے پکڑے صوفے پر بٹھایا پھر پلٹ کر منال کو دیکھا جو چہرے پر ہاتھ رکھے بھیگی خوفزدہ آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''بی بی اگر شہلا بی بی کی مہربانی سے آپ اس گھر میں داخل ہو ہی گئی ہیں تو براہِ کرم خود کو اپنے کمرے تک محدود رکھیں، یوں گھر میں گھومنے پھرنے کا آپ کو قطعاً کوئی حق نہیں ہے۔'' سوہنی کے سامنے زمین پہ پنجوں کے بل بیٹھے وہ گردن موڑے سرد لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔

''مگر...... میڈم نے کہا تھا کہ مجھے سب کے ساتھ کھانا...... میں...... غلطی سے مجھ سے گڑیا گری...... میں......''

''آپ کو علم ہونا چاہیے کہ جو گڑیا آپ نے توڑی ہے وہ سوہنی بی بی کی پانچویں سالگرہ پہ ان کو ان کے والد نے انگلینڈ سے لا کر دی تھی اور اس کی قیمت پانچ لاکھ سے کم آج بھی نہیں تھی۔'' سوہنی، رضا کی ڈھارس ملنے سے ذرا سنبھلی تھی، مگر منال کو دیکھتی آنکھوں سے ابھی تک شرارے پھوٹ رہے تھے۔

''اس کو قیمت کا مت بتائیں رضا بھائی، اس کچی آبادی میں رہنے والی لڑکی نے کبھی پانچ لاکھ خواب میں بھی نہیں دیکھے ہوں گے۔''

''ہاں، ہاں، نہیں دیکھے میں نے پانچ لاکھ۔'' وہ گال سے ہاتھ ہٹا کر گھٹی گھٹی سی چلائی۔ ''اور میں دیکھ بھی کیسے سکتی تھی پانچ لاکھ؟ میرا باپ تو مجھے اس کچی آبادی میں ہی چھوڑ کر بھول گیا تھا۔ جانتی ہو سوہنیا بی بی، ہمارے گھر کی چھت برسات میں ٹپکتی تھی، جب بارش ہوتی تو میں اور ماں سردی میں پڑی بھیگتی رہتیں، اور پھر کئی دن بخار میں پھنکتی رہتیں مگر ہمیں پوچھنے والا کوئی نہیں تھا کیونکہ میرا باپ اس وقت انگلینڈ میں اپنی جائز اولاد کے لیے لاکھوں کے تحفے خرید رہا تھا۔ میں نے پانچ لاکھ روپے کبھی نہیں دیکھے مگر میں نے بھوک دیکھی ہے، بیماری، غربت اور خوف دیکھا ہے، میں نے اپنی ماں کو خون کھانستے کھانستے مرتے دیکھا ہے مگر...... مگر میرے باپ نے کبھی اکٹھے پانچ لاکھ ہمارے ہاتھ پر نہیں

رکھے۔'' سونی اور رضا گویا شاکڈ سے اسے دیکھ رہے تھے جو دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے رخساروں پر لڑھک رہے تھے جہاں سونی کے تھپڑ کا نشان ابھی تک موجود تھا۔ پھر ایک دم وہ تیزی سے آگے بڑھی اور ان کے سامنے سے گزرتی باہر نکل گئی۔ سونی یک ٹک میز پر بکھرے کانچ کو دیکھ رہی تھی مگر رضا نے پلٹ کر اسے جاتے ضرور دیکھا تھا۔

☆☆☆

بانو اور کمدار سامان کے بیگ اور شاپرز پیراڈو میں رکھ رہے تھے۔ ڈرائیور مودب سا دروازہ کھولے ایک طرف کھڑا تھا مگر بی بی جان ابھی اندر نہیں بیٹھی تھیں۔ وہ باہر برآمدے کے ستون کے ساتھ مہر ماہ کے ساتھ کھڑی تھیں۔

''میں پیچھے سے سنبھال لوں گی بی بی جان، آپ بے فکر ہو کر جائیے۔'' سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کے دمکتے چہرے پر وہی ازلی نرم سی مسکراہٹ بکھری تھی۔ وہ عموماً سفید رنگ پہنا کرتی تھی۔ لمبی قمیص اور نیچے پاجامایا شلوار۔

''تمہاری وجہ سے تو بے فکری رہتی ہے مہر ماہ، ورنہ میں حویلی چھوڑ کر کب جایا کرتی ہوں، میرے ہوتے ہوئے بھی تو تو ہی کرتی ہے سب۔'' وہ بہت سوگوار سی تھیں۔ لرزتے ہاتھوں میں پکڑی تسبیح کے دانے مسلسل گراتی، بہت کرب بھرے مان سے کہہ رہی تھیں۔

''آپ اللہ کا نام لے کر جائیں۔ مجھے یقین ہے یہ بابا جان کے خلاف کوئی سازش ہے۔ اللہ ہمیں رسوا نہیں کرے گا۔'' اس نے ان کے یخ ہوتے، بوڑھے ہاتھ تھام لیے۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' وہ اس کے ہاتھ پکڑے، دھیرے دھیرے گاڑی کی طرف قدم بڑھانے لگیں۔

''آپ اتنی بے یقین کیوں ہیں بی بی جان؟ میں تو بے یقین نہیں ہوں۔''

''تو تُو ہمیشہ ہی پُریقین رہتی ہے، تیرے جیسی امید اور توکل میں اب کہاں سے لاؤں؟'' وہ ان کو سہارا دے کر گاڑی میں بٹھانے لگی تھی۔

''آپ اللہ سے توکل مانگیں، وہ آپ کو دے گا۔ آپ اس سے یقین مانگیں وہ آپ کو وہ بھی دے گا۔''

''تو میرے لیے، جہانگیر کے لیے، سب کے لیے دعا کرنا مہر ماہ۔'' وہ اندر بیٹھ چکی تھیں، مہر ماہ ان کے کھلے دروازے کے ساتھ کھڑی تھی۔

''میں تو ہمیشہ دعا کرتی ہوں، بس آپ بے فکر ہو کر جائیں۔''

''پیچھے حویلی تیرے ذمے ہے، میرے بعد بھی تو تُو نے ہی حویلی اور گاؤں کے معاملات سنبھالنے ہیں۔ جہانگیر تو دو تین ماہ بعد ہی ادھر آپاتا ہے۔ میرے بعد تو ہی وادی کی سردارنی ہو گی مہر ماہ۔''

''اتنا آگے کی فکر نہ کریں، اللہ بہتر کرے گا۔''

اس نے نرم مسکراہٹ کے ساتھ دروازہ بند کیا۔ بند شیشے کے اس پار بی بی جان کا ضعیف، مضمحل چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ پیچھے ہٹ گئی۔ ڈرائیور گاڑی ریورس کرنے لگا تھا۔ پہیے پیچھے کو جانے لگے، دھول کا ایک غبار اٹھا، اس کے پیچھے کہیں بی بی جان کا چہرہ گم ہو گیا۔ گاڑی باہر نکل گئی۔ آہستہ آہستہ گرد چھٹنے لگی۔ مہر ماہ ستون سے ٹیک لگائے سوچتی نگاہوں سے کھلے گیٹ کو دیکھے گئی۔

☆☆☆

''کیوں سب مجرموں کی طرح مجھ سے آ کر

صفائیاں مانگتے ہیں؟ شہلا کا تو قصہ ہی الگ ہے مگر آپ...... بی بی جان آپ تو میرا یقین کر لیتیں۔'' ان کے سامنے صوفے پر بیٹھے جہانگیر بالکل ٹوٹے پھوٹے لگ رہے تھے۔ ان کی نگاہوں میں بے حد شکوے تھے۔

''اگر یہی بات ہے تو وہ لڑکی کیوں اتنے کانفیڈینس سے ڈی این اے ٹیسٹ کی بات کر رہی ہے؟ بی بی جان، میں صرف شک کے باعث یہ سب نہیں کہہ رہی، کہیں نہ کہیں دال میں کچھ کالا تو ہے۔'' سامنے والے صوفے پر ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی شہلا جہانگیر تڑپ کر بولی تھیں...... جواباً جہانگیر نے ایک شعلہ بار نگاہ ان پر ڈالی۔

''میرا باپ بھی نہیں کرائے گا ڈی این اے ٹیسٹ۔''

''دیکھا...... دیکھا بی بی جان...... اگر یہ اتنا ہی پارسا ہے تو ٹیسٹ کیوں نہیں کروا لیتا؟'' وہ چمک کر بولیں۔ بات بی بی جان کے دل کو لگی۔ انہوں نے رخ جہانگیر کی طرف کیا۔

''تم کیوں نہیں کراتے ٹیسٹ بیٹا؟''

''بات ٹیسٹ کی نہیں ہے بی بی جان، آپ لوگوں کو مجھ پر اتنا تو یقین ہونا چاہیے تھا کہ یوں غیروں کی باتوں میں آ کر مجھ پر شک نہ کرتے۔ کیا کوئی بھی منہ اٹھا کر چلا آئے، مجھے اپنا باپ بتائے، تو میں صفائیاں دیتا ٹیسٹ کراتا پھروں گا؟ مائی فٹ۔'' شہلا نے محض ایک جتاتی نظر ان پر ڈالی، اور ہولے سے سر جھٹکا۔

''مگر جہانگیر، کسی نہ کسی طرح اس سارے معاملے کا فیصلہ تو ہونا ہے۔ اگر یہی واحد راستہ ہے تو ایسا کر لینے میں کیا برائی ہے؟''

''آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں بی بی جان، اگر بات باہر نکل گئی تو میرا کیریئر تباہ ہو جائے گا۔ کتنی بدنامی ہو گی۔''

''یہ تو تمہیں اس بلقیس سے بدکاری کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ شہلا زیادہ دیر چپ نہ رہ سکیں۔

''او ہو یو شٹ اپ!'' وہ دہاڑے تھے۔

''شہلا یہ لڑائی کا وقت نہیں ہے۔'' بی بی جان نے خفگی سے انہیں دیکھا۔ ''جاؤ اس لڑکی کو ادھر بلاؤ، اور رضا کو بھی۔''

''رضا کو بھی؟'' شہلا کو ذرا حیرت ہوئی، پھر سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ رضا کے ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ برسوں سے ان کا وفادار ملازم تھا۔ اب نہ صرف جہانگیر کا اسپتال سنبھالتا تھا بلکہ رہتا بھی کوٹھی کے ایک بیرونی کمرے میں ہی تھا۔

''آپ نے رضا کو کیوں بلوایا ہے؟'' شہلا کے جانے کے بعد وہ ذرا حیرت سے بی بی جان کی جانب مڑے۔

''وہ ہمارا راز دار ہے جہانگیر، اگر وہ تمہارا ٹیسٹ کرے یا کروائے تو بات کبھی باہر نہیں نکلے گی۔ بولو، اب بھی تمہیں کوئی اعتراض ہے؟'' انہوں نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے پھر بھینچ لیے البتہ چہرے پر ناگواری بکھر گئی تھی۔ ہیل کی ٹک ٹک کی آواز آئی تو بی بی جان نے دیکھا۔ شہلا واپس آ رہی تھیں۔ ان کے پیچھے ایک لڑکی تھی۔ سادہ سے لباس میں ملبوس، شفاف چہرہ اور بڑی بڑی آنکھیں...... وہ ڈری سہمی یا گھبرائی ہوئی نہیں لگتی تھی بلکہ اس کے چہرے پر خاصا اعتماد تھا۔ انہوں نے اس کی بڑی بڑی آنکھوں کو غور سے دیکھا۔ وہ بڑی تھیں، سیاہ بھی تھیں، مگر وہ جہانگیر کی آنکھوں جیسی نہیں تھیں۔ مہر ماہ ٹھیک کہتی تھی۔ اس دنیا میں بہت سی لڑکیوں کی بڑی

بڑی سیاہ آنکھیں ہوں گی، کیا اس سے وہ سب بابا جان کی بیٹیاں بن جاتی ہیں۔

''بیٹھو لڑکی۔'' انہوں نے رعب دار مگر روکھے انداز میں مقابل صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ خاموشی سے صوفے پر آ بیٹھی اور اب جیسے منتظر نگاہوں سے بی بی جان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ واقعی جہانگیر کی آنکھیں نہیں تھیں۔

''تم جانتی ہو ہمارے قانون میں اس طرح کے بہتان کی سزا کیا ہے؟''

''جانتی ہوں۔''

''پھر بھی تم نے میرے بیٹے پہ بہتان لگایا؟''

''آپ اپنی وادی کی سردارنی ہیں، اور آپ کی وادی علاقہ غیر میں ہے، آپ کا وہاں اپنا قانون ہے، آپ روز بیسیوں مقدمے نبٹاتی ہیں، آپ میری آنکھوں میں دیکھیں اور بتائیں، کیا بہتان باندھنے والوں کے چہرے اتنے پُرسکون ہوتے ہیں۔'' لمحے بھر کو ڈرائنگ روم میں خاموشی چھا گئی، رضا بہت آہستہ سے منال کے صوفے کی پشت پر آ کھڑا ہوا تھا مگر ابھی کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

''میں اِدھر تمہاری باتیں سننے نہیں آئی لڑکی۔'' انہوں نے ناگواری سے ٹوکا مگر لہجہ کمزور تھا۔

''میں جانتی ہوں کہ آپ فیصلہ کرنے آئی ہیں، تو کیجیے بی بی جان، میں تیار ہوں۔''

''فیصلے کے لیے یا سزا کے لیے؟''

''دونوں میں سے اسی کے لیے جس میں انصاف ہو، اگر مجھے جہانگیر شاہ کی دولت چاہیے ہوتی تو میں عدالت میں جاتی مگر مجھے عزت چاہیے، نام اور پیار چاہیے۔ اسی لیے آپ کے گھر آئی ہوں، مجھے آپ سے عدل کی امید ہے بی بی جان، عدل کیجیے، یہ بُھلا کر کہ میرا باپ آپ کا بیٹا ہے، عدل کیجیے۔''

''مائی فٹ، میں تمہارا باپ نہیں ہوں۔'' جہانگیر تلملائے۔

''تو ثابت کیجیے، ٹیسٹ کروایئے، میں تیار ہوں، ہر ٹیسٹ، ہر امتحان سے گزرنے کے لیے۔'' وہ پُراعتماد تھی۔

''لڑکی تمہیں کیسے پتا ہے کہ یہ تمہارا باپ ہے؟ اگر اس کے اور تمہاری ماں کے درمیان کچھ تھا بھی تو وہ تمہاری پیدائش سے قبل تھا۔''

''وہ جو بھی تھا، وہ کئی سال چلتا رہا تھا اور یہ ہر ماہ کا خرچہ پانی بھی دیا کرتے تھے۔ یہ میرا قیاس نہیں ہے، ماں بھی اقرار کرتی تھیں، اور یہ بھی پہلے کرتے تھے۔''

''شٹ اَپ یو بچ۔'' وہ چلاّئے۔ ''جھوٹی، مکار، اداکارہ، بند کرو یہ ڈراما۔'' منال کی آنکھیں جھلملانے لگیں، اس نے سر جھکا لیا۔

''آرام سے جہانگیر...... اگر یہ ڈراما کر رہی ہے تو وہ کھل ہی جائے گا...... رضا۔''

''حکم، بی بی جان۔'' وہ مودب سا ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

''تم جہانگیر اور اس لڑکی کے ٹیسٹ کرواؤ گے اور تم جانتے ہو یہ بات باہر نہیں نکلنی چاہیے۔''

''جو حکم بی بی جان۔'' اس نے ایک نگاہ جہانگیر پہ ڈالی جو مضطرب سے ہو گئے تھے۔

''مگر بی بی جان، خواہ مخواہ......''

''یہ میرا حکم ہے جہانگیر......'' ان کا انداز اٹل تھا۔ ''اور لڑکی، تم میری بات کان کھول کر سنو...... تم اس کے بعد ہماری وادی کی سردارنی کا ہر فیصلہ قبول کرو گی۔ ہم عدل کرتے ہیں، اس کا تو تمہیں یقین ہو گا۔''

''جی ہاں۔'' اس نے سر اٹھایا اور ہتھیلی کی پشت سے آنسو پونچھے۔ ''مجھے وادی کی سردارنی کا ہر فیصلہ قبول ہو گا۔''

☆☆☆

''پرسوں شام تک ٹیسٹ کی رپورٹ آ جائے گی، مہر ماہ، میرا دل بہت خراب ہو رہا ہے۔'' اس رات وہ بستر میں لیٹی، فون کا ریسیور کان سے لگائے اس سے بات کر رہی تھیں۔

''آپ کو اللہ پہ یقین نہیں ہے بی بی جان؟''

''اللہ پہ ہے، جہانگیر پہ نہیں ہے۔''

''بی بی جان!'' اسے صدمہ لگا تھا۔

''میں کیا کروں مہر ماہ، مجھے بہت خوف آ رہا ہے۔''

''مگر آپ تو کہتی ہیں کہ اس کی آنکھیں بابا جان جیسی نہیں ہیں۔''

''لیکن اس کا انداز...... وہ مجھے خوف دلاتا ہے۔''

''وادی کی سردارنی ایک لڑکی سے ڈر گئیں؟''

''مجھے بُری گھڑی سے ڈر لگتا ہے مہری۔''

''اچھا آپ نے دوا کھا لی؟'' اس نے دانستہ موضوع بدل دیا۔

''ہوں، بس اب سونے ہی لگی تھی۔''

''دودھ پی کر سویئے گا۔'' وہ فون بند کرنے سے قبل ہدایات دینا نہیں بھولی تھیں۔ انہوں نے مسکرا کر ریسیور رکھا اور پھر آنکھیں موند لیں۔

چند ثانیے ہی گزرے تھے کہ ان کے کمرے کا دروازہ ہولے سے کھلا۔ ذرا سی درز سے جہانگیر نے اندر جھانکا۔ وہ بے خبر سو رہی تھیں۔ انہوں نے دروازہ اسی آہستگی سے بند کر دیا۔ راہداری کے دوسرے سرے پر گیسٹ روم تھا جس میں بہت قریبی مہمان ہی ٹھہرائے جاتے تھے۔ وہ بے آواز قدموں سے چلتے اس تک گئے اور بنا دستک کے دروازہ کھولا۔ منال آئینے کے سامنے کھڑی بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔ آہٹ پر چونک کر پلٹی۔

''آپ؟'' اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

''ہاں میں!'' انہوں نے سرد لہجے میں کہتے دروازہ بند کیا اور ایک حقارت بھری نگاہ اس پر ڈالتے کرسی پر بیٹھے۔

''سامنے آؤ اور مجھ سے بات کرو۔'' وہ برش رکھ کر دھیرے دھیرے چلتی ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''جی؟''

''کتنے پیسے چاہئیں تمہیں؟ بولو!'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑی چیک بک کھولی اور قلم کا ڈھکنا اتارا۔

''تو آپ مجھے خریدنے آئے ہیں؟''

''بکواس بند کرو، مجھے میری ماں کے سامنے ذلیل کر کے تمہیں کیا ملا؟ اب اپنا یہ تماشا ختم کرو۔ جو رقم چاہیے اس میں بھر لو، اور اپنا بوریا بستر سمیٹ کر دفان ہو جاؤ۔''

''لیکن ابھی تو ڈی این اے ٹیسٹ کی رپورٹ بھی نہیں آئی۔''

''بھاڑ میں گیا ڈی این اے ٹیسٹ...... میں نہیں مانتا کسی ٹیسٹ کو۔''

''مگر دنیا مانے گی اور آپ کو بھی ماننا پڑے گا۔'' وہ نڈر ہو کر کہہ رہی تھی۔

''اپنی قیمت بتاؤ؟''

''بیٹی، بیٹی تسلیم کر لیں مجھے، اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔''

''مائی فٹ! نہیں ہو تم میری بیٹی، کچھ نہیں لگتیں تم میری۔'' وہ پیر پٹختے کھڑے ہو گئے۔ ''اب میں

بھی دیکھتا ہوں تم کیا کرسکتی ہو، میری بیوی نے میرے ہاتھ باندھ رکھے ہیں ورنہ میں تمہیں اپنے کتوں کے آگے ڈال دیتا۔'' ایک غصیلی نگاہ اس پر ڈال کر وہ باہر نکل گئے۔

''اُف!'' منال گہری سانس لیتی بیڈ پر گر گئی۔

☆☆☆

وہ ہاتھ میں موبائل پکڑے کوئی بٹن دبا رہا تھا، ٹوں ٹوں کی آواز خاموش لاؤنج میں گونجنے لگی۔ اس نے فون کان سے لگالیا۔ تیسری گھنٹی پہ کال اٹھالی گئی۔

''السلام علیکم؟'' مہر ماہ کی آواز کسی جلترنگ کی طرح سنائی دی۔

''ہیے مہر ماہ...... میں حسنین۔'' وہ ٹہلتا ہوا مضطرب سا کہہ رہا تھا۔ ''رضا بھائی رپورٹس لینے گئے ہیں، بس آتے ہی ہوں گے۔''

''اتنے پریشان کیوں ہو؟''

''کیا تم نہیں ہو؟ یہاں ہم انتظار کی سولی پر اٹکے ہوئے ہیں، سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں، بس میں سائڈ پر آ کر تمہیں کال کر رہا ہوں۔''

''کیا ایک ٹیسٹ سے سب پتا چل جائے گا؟''

''ہاں مہر ماہ، رضا بھائی نے یقین دلایا ہے کہ سب پتا چل جائے گا مگر مجھے بہت گھبراہٹ ہو رہی ہے اور گرینی تو بہت ہی پریشان ہیں۔''

''اوہو، تم انہیں تسلی دو۔'' وہ حسب توقع پریشان ہوگئی۔ ان کو ڈھارس دلاؤ کہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' دفعتاً باہر کار کا ہارن بجا، حسنین نے رک کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ رضا کی کار ڈرائیو وے پر چلتی آرہی تھی۔

''رضا بھائی آگئے ہیں میں چلتا ہوں، جو بھی رزلٹ آیا تمہیں کال کر کے بتاؤں گا۔'' فون بند کر کے وہ ڈرائنگ روم میں آگیا۔

بڑے صوفے پر بی بی جان خاموش سی بیٹھی تھیں۔ ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے دانے مسلسل گر رہے تھے۔ ان کے ساتھ سوہنی ہتھیلیوں پر چہرہ گرائے بیٹھی تھی۔ ایک طرف سنگل صوفے پر شہلا مضطرب سی پہلو بدل رہی تھیں۔ ان کے مقابل صوفے پر جہانگیر براجمان تھے۔ بیزاریت ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ کونے میں ایک کرسی پہ وہ سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی تھی۔ وہ جو اس سارے فساد کی جڑ تھی۔ حسنین نے بے اختیار سوچا، اور بی بی جان کے دوسری طرف آکر بیٹھ گیا۔

قدموں کی آواز سنائی دی، سب منتظر سے جالی دار پردے کو دیکھنے لگے۔ دفعتاً اس کے پیچھے رضا کا وجود دکھائی دیا پھر اس نے ہاتھ سے پردہ ہٹایا۔

''آؤ رضا۔'' بی بی جان کی تسبیح کے دانے مزید تیزی سے گرنے لگے تھے۔

وہ ہاتھ میں رپورٹس کا خاکی لفافہ تھامے.... جہانگیر شاہ کے صوفے کے قریب آکھڑا ہوا۔ اس کے چہرے پہ کچھ تھا جو بی بی جان کا دل دہلا رہا تھا۔

''کیا کہتی ہیں رپورٹس؟'' شہلا رہ نہیں سکیں۔

رضا نے ایک نظر کونے میں بیٹھی منال کو دیکھا، پھر لفافے سے چند کاغذ نکالے۔

''میں نے سیمپل تین لیبارٹریز میں دیے تھے۔'' وہ نگاہیں جھکائے مؤدب سا کھڑا کہہ رہا تھا۔ ''آپ دیکھ سکتے ہیں، اگر یہ والی لکیریں یوں ملیں تو......'' وہ ایک رپورٹ دکھاتا کہنے لگا، مگر بی بی جان نے ٹوک دیا۔

''تفصیلات چھوڑو، یہ بتاؤ کہ کیا یہ لڑکی جہانگیر کی بیٹی ہے؟'' وہ خاموش ہوگیا، ایک نظر جہانگیر کو دیکھا جو ضبط کی انتہاؤں پہ تھے اور پھر سر جھکا دیا۔

''حقیقت تو اللہ بہتر جانتا ہے، میں آپ کا ادنیٰ سا ملازم ہوں بی بی جان، حکم کی تعمیل کی ہے ان رپورٹس کے مطابق...... ان کے مطابق یہ باپ اور بیٹی ہیں۔'' اور بی بی جان کو لگا، چھت پھٹ گئی ہے۔ ڈرائنگ روم میں سناٹا چھا گیا، موت کا سناٹا، رضا نے آہستگی سے رپورٹس میز پر رکھ دیں۔

''میں نے کمدار اور اس کی بیٹی کے نام پہ رپورٹس تیار کی ہیں۔ آپ بے فکر رہیں، بات باہر نہیں نکلی، نہ نکلے گی، آپ چاہیں تو دوبارہ کہیں اور سے ٹیسٹ کروالیں۔ آگے جو آپ کا حکم ہو، میں حاضر ہوں۔''

اب بھی کوئی کچھ نہ بولا۔ شہلا دنگ بیٹھی تھیں۔ جہانگیر گویا سکتے میں تھے اور بی بی جان...... ان کا رنگ نچڑ چکا تھا...... سفید، لاش کے مانند چہرہ لیے وہ یک ٹک رضا کو دیکھ رہی تھیں۔

''اب بتایئے، وادی کی سرداری کا کیا فیصلہ ہے، اس کے بعد سرداری کا جو فیصلہ ہوگا مجھے منظور ہوگا۔'' وہ رندھی ہوئی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

آئی ہیٹ یو پاپا...... آئی ہیٹ یو......'' دفعتاً سوہنی اٹھی اور چلائی اور ہچکیاں روکتی باہر بھاگی۔

جہانگیر ابھی تک سکتے میں تھے، شہلا بھی کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھیں۔ حسنین بھی گم صم سا ہوگیا تھا۔

''بتائیں بی بی جان...... سرداری کا کیا فیصلہ ہے؟'' بی بی جان نے آہستہ سے نگاہوں کا زاویہ اس کی طرف موڑا۔

''جمعے کو حویلی میں بات ہوگی، پرسوں جمعہ ہے، فیصلہ حویلی میں ہوگا، تم سب اور یہ لڑکی، سب چلنے کی تیاری کرو۔'' پھر وہ آہستہ سے اٹھیں اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی دروازے کی جانب بڑھنے لگیں۔ حسنین فوراً سہارا دینے کے لیے آگے بڑھا مگر انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ شہلا کا سکتہ ان کے وہاں سے نکلتے ہی ٹوٹا تھا۔

''ساری زندگی تم مجھے دھوکا دیتے آئے ہو، اب اور نہیں جہانگیر، میں ڈیڈی کے پاس لندن جارہی ہوں، خلع کا نوٹس بھی تمہیں جلد مل جائے گا۔ سنی تم اور سوہنی اگر چلنا چاہو تو ٹھیک، نہیں تو بھاڑ میں جاؤ میری طرف سے۔'' وہ تن فن کرتی دہلیز پار کر گئیں۔

جہانگیر اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھے تھے۔ حسنین آہستہ سے وہاں سے نکل آیا اور مہر ماہ کو فون ملایا۔

''کیا بنا حسنین؟'' وہ بے تاب، منتظر بیٹھی تھی۔

''سب تباہ ہوگیا مہر ماہ...... سب ختم ہوگیا......'' اس کی آواز رندھنے لگی تھی۔

''مگر کیا ہوا ہے؟''

''وہ پاپا کی بیٹی ہے، رپورٹ نے تصدیق کردی ہے۔'' چند لمحوں کے لیے فون لائن مردہ ہوگئی، بے سانس، بے آواز...... خاموش......

''مہر ماہ؟''

''ہاں، میں اِدھر ہوں، ٹھیک ہوجائے گا سب، بی بی جان نے کیا کہا؟''

''جمعے کو فیصلہ ہوگا۔ یہ گھر کا معاملہ ہے گھر میں ہی حل ہوگا۔ منال نے کہا ہے کہ وہ وادی کی سرداری کا ہر فیصلہ قبول کرے گی۔''

وہ لاؤنج میں کھڑا تھا۔ اسے سامنے شہلا کے بیڈروم کا آدھا کھلا دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ الماریوں کے پٹ کھلنے بند ہونے کی آوازیں...... بیگ کی زپ چڑھانے کی آواز...... ساتھ میں اونچی

بڑبڑاہٹیں......

''ممی گھر چھوڑ کر جا رہی ہیں، وہ خلع لے رہی ہیں۔''

''اور سونی؟''

''وہ کہتی ہے اسے پاپا سے نفرت ہے، مہرماہ ہم کیا کریں؟ ہمارا تو پورا گھر بکھر گیا ہے، مجھے پتا ہے سونی اب پاپا کی ضد میں ممی کے ساتھ چلی جائے......'' ایک دم وہ بولتے بولتے رکا۔ اسے کسی کے گرنے کی آواز آئی تھی۔

''کیا ہوا حسنین؟''

''ایک منٹ ٹھہرو!'' تبھی راہ داری کی دوسری طرف آوازوں کا شور بلند ہوا تھا۔ فون اس کے ہاتھ سے پھسل پڑا۔ وہ بدحواس سا اس طرف بھاگا تھا۔

''ہیلو! ہیلو؟'' مہرماہ پریشانی سے اسے پکار رہی تھی۔

☆☆☆

بے چینی سے برآمدے میں ٹہلتے اس کے پیر شل ہوگئے تھے مگر وہ سینے پر بازو باندھے مسلسل ٹہل رہی تھی۔ سفید گرم شال سر پر تھی، اور ہاتھ میں تسبیح......اس کے لب ساتھ ہی ورد کر رہے تھے۔

حسنین سے اس کی پھر بات نہیں ہو پائی تھی۔ بابا جان کو فون کرنے کی اس کی ہمت نہ پڑی تھی۔ سونی کا موبائل آف تھا۔ بس ایک رضا سے بات ہوئی تھی جس نے صرف ''ہم شام تک حویلی پہنچ جائیں گے۔'' کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

شام کی نیلاہٹیں گہری ہونے کو آئی تھیں، چرند پرند اپنے اداس گیت گنگناتے آشیانوں کو لوٹنے لگے تھے۔ وہ کب سے زنان خانے کے برآمدے میں چکر کاٹ رہی تھی۔ دل میں عجیب عجیب سے وسوسے آرہے تھے۔ تبھی گیٹ کے پار ہارن بجا...... وہ چونک اٹھی۔ یکے بعد دیگرے دو گاڑیاں اندر داخل ہوئی تھیں......آگے بابا جان کی پیراڈو تھی جس سے وہ فوراً نکلے تھے۔ ساتھ ہی باقی دروازے کھول کر شہلا، حسنین، اور سونی باہر آئے تھے۔ وہ سب تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے، مگر وہ پچھلی گاڑی کو دیکھ رہی تھی جس میں سے رضا کے پیچھے ایک لڑکی نکلی تھی۔ سیاہ شال اوڑھے، لب بھینچے، سپاٹ چہرہ لیے، وہ اِدھر اُدھر گردن موڑتی اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔

''مہرماہ!'' حسنین اس کے قریب آرہا تھا۔ اس کے چہرے پر صدیوں کی تھکن تھی۔ اور ایک دم......بالکل ایک دم سے اسے کسی انہونی کا احساس ہوا۔

''حسنین! بی بی جان کہاں ہیں؟'' اسے اپنی آواز کسی کنوئیں سے آتی سنائی دی تھی۔ اسی پل کھلے گیٹ میں ایک سفید ایمبولینس داخل ہوئی......وہ سن سی ہوگئی۔

''مہری......بی بی جان فوت ہوگئی ہیں۔'' وہ رو رہا تھا۔ وہ پتھر کا بت بنی ایمبولینس کو دیکھ رہی تھی۔ جس سے جہانگیر اور رضا اسٹریچر نکال رہے تھے۔

''مہرماہ......مہرماہ......گرینی......'' سونی روتے ہوئے اس کے گلے سے آن لگی۔ وہ یک ٹک بنا پلک جھپکے اسٹریچر کو دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

فجر کے بعد بی بی جان کا جنازہ پڑھا کر ان کو دفنا دیا گیا، وہ وادی کی سردارنی تھیں، ان کی وفات پہ پوری وادی جمع ہوگئی تھی۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ ہر دل رو رہا تھا۔

وہ جنازے کے بعد ویران سی دالان میں بے

چبوترے پہ بیٹھی تھی، آنسو لڑیوں کی صورت میں اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے، وہ اس کی ماں جیسی تھیں، دوست جیسی اور باپ جیسی تھیں، اسے لگ رہا تھا صدمے نے اسے ڈھے دیا ہے، وہ شاید کبھی جڑ نہ پائے، اس کی سب سے بڑی ڈھال اور سہارا ختم ہوگیا تھا۔

''مہری......'' جہانگیر دھیرے سے اس کے ساتھ آبیٹھے تھے۔ اس نے بھیگی آنکھیں ان کی طرف اٹھائیں......وہ برسوں کے بیمار لگ رہے تھے۔

''ہم ان کے لیے بہت دعا کیا کریں گے بابا جان......اس سے ان کی روح کو سکون ملے گا۔'' وہ اپنا دکھ بھول کر انہیں دلاسا دینے لگی۔

''مگر مجھے کبھی نہیں ملے گا، وہ مجھ سے ناراض گئی ہیں مہری۔''

''اس دنیا کی ناراضیاں یہیں تک ہوتی ہیں بابا جان......جان کنی کے بعد ہر روح کو اپنی نجات کی فکر ہوتی ہے، ہم ان کے لیے دعا کرتے رہیں گے۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' اس نے ہولے سے ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

''تمہاری امیدیں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں مہری......ورنہ مجھے لگتا ہے اب زندگی میں کچھ بھی نہیں بچا۔''

''ایسے نہ سوچیں بابا جان...... میں ہوں نا آپ کے پاس۔'' اس نے بہت اعتماد سے ان کا ہاتھ دبایا۔ انہوں نے بے یقینی سے ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''تمہیں میرا یقین ہے منال کے معاملے میں؟''

''اس معاملے کا فیصلہ جب ہوگا، تب دیکھا جائے گا۔'' اس کا انداز مبہم تھا۔

''فیصلہ تو ہوگیا ہے مہرماہ......کیا تم نہیں جانتیں کہ رپورٹس......''

''فیصلہ! ابھی نہیں ہوا، فیصلہ جمعے کو حویلی میں ہوگا۔''

''بی بی جان نہیں رہیں، اب......''

''کیا آپ نہیں جانتے کہ بی بی جان نے اپنے بعد مہرماہ کو وادی کی سردارنی بنانے کا کہا تھا؟ یہ ان کی وصیت تھی، وادی کی سردارنی کو چننے کا حق صرف انہی کو تھا اور انہوں نے آپ کے اوپر مجھے چنا تھا۔ میں اس وادی کی نئی سردارنی ہوں بابا جان، کیا آپ نہیں جانتے؟'' وہ عجیب سے لہجے میں بولی تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگے، وہ ایک دم اس مہرماہ سے مختلف لگ رہی تھی جسے وہ جانتے تھے قطعاً اجنبی اور غیر شناسا۔

''ہاں، میں جانتا ہوں لیکن اب فیصلہ کرنے کے لیے کیا بچا ہے؟ وہ لڑکی تو سارے ثبوت جمع کر کے لے آئی ہے۔ بی بی جان کی وجہ سے شہلا رک گئی مگر میں جانتا ہوں وہ ان کے چالیسویں کے بعد مجھ سے خلع لے کر چلی جائے گی۔ سونی میری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ حسنین مجھ سے نگاہیں نہیں ملاتا اور......''

''اور مہرماہ پھر بھی کہتی ہے کہ فیصلہ ابھی ہونا ہے۔'' وہ اٹل لہجے میں کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''جمعے کی نماز کے بعد، دوپہر دو بجے، بڑے کمرے میں سب کو اکٹھا کیجیے۔ فیصلہ تب ہی ہوگا۔'' کسی ملکہ کی طرح حکم صادر کر کے وہ مڑی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی برآمدے کی جانب بڑھ گئی۔ جہانگیر شاہ شش و پنج میں مبتلا بیٹھے اسے جاتا دیکھتے رہے، وہ کیا کرے گی، انہیں کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

☆☆☆

مہرماہ نے کہا تھا، فیصلہ وہ جمعے کو ہی کرے گی، اور اس نے ٹھیک کہا تھا، نہ کسی کی کوئی دلیل سنی نہ حیل و حجت، ہر ایک کو بس حکم سنایا۔ نماز کے بعد بڑے کمرے میں جمع ہو جاؤ پھر کسی کے پاس بحث کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ یہ وہ ہر وقت حلاوت سے مسکراتی مہرماہ نہیں تھی، یہ سپاٹ، بارعب چہرے والی وادی کی سردارنی تھی۔ اس کے آگے جہانگیر شاہ بھی کچھ بول نہیں پائے تھے۔

جمعے کی نماز کے بعد ایک ایک کر کے سب بڑے ہال میں آنے لگے۔ حسنین شلوار قمیص اور شال اوڑھے چپ چاپ ایک صوفے پہ آ بیٹھا۔ ساتھ ہی سوہنی بجھی بجھی سی بیٹھی تھی۔ زبردستی کی اوڑھی بڑی سی کڑھائی والی سیاہ چادر میں اس کا چہرہ زرد لگ رہا تھا، اس کے دوسری طرف شہلا براجمان تھیں۔ رواج کے مطابق دوپٹا ان کے بھی سر پہ تھا مگر چہرے پہ بے پناہ کڑھن تھی۔

مقابل صوفے پر جہانگیر شاہ بیٹھے تھے۔ وہ ہاتھ میں پکڑے موبائل پر مسلسل بٹن دبا رہے تھے۔ شاید وہ شہلا یا سوہنی کی طرف نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ ان کے صوفے کے پیچھے رضا کھڑا تھا۔ ہاتھ باندھے، سر جھکائے، مودب سا۔ سربراہی اونچی کرسی خالی تھی۔ اس پہ بی بی جان بیٹھا کرتی تھیں مگر آج اس پر مہرماہ کو بیٹھنا تھا۔

چوکھٹ میں ذرا سی آہٹ ہوئی اور دھیرے سے منال چلتے ہوئے اندر آئی۔ اس کے لیے جہانگیر کے صوفے کے ساتھ ہی صوفہ رکھا گیا تھا۔ کسی نے اسے سر اٹھا کر دیکھنے کا تکلف بھی نہیں کیا۔ وہ چپ چاپ اس صوفے پر آ بیٹھی۔ اب وہ سربراہی کرسی کے بالکل مقابل تھی۔

دفعتاً ہال کا بغلی دروازہ کھلا۔ بہت سی گردنیں اس جانب کو مڑیں، مہرماہ چوکھٹ عبور کر کے اندر آ رہی تھی۔ بی بی جان کی سفید شیشوں کے کام والی بڑی سی شال میں خود کو سموئے، وہ سپاٹ چہرہ لیے اپنی کرسی پہ آ بیٹھی۔ ہال میں گہرا سناٹا چھا گیا۔ سب سانس روکے اس کو دیکھ رہے تھے۔

''منال...... یہی نام ہے تمہارا؟'' اس کی آواز پورے کمرے میں گونجی۔

''جی۔'' منال نے آہستہ سے سر اثبات میں ہلایا۔

''کیا تم نے وادی کی سردارنی کا فیصلہ قبول کرنے کا یقین دلایا تھا؟''

''جی۔'' اس کی آواز میں عجب بغاوت تھی۔

''ٹھیک ہے، آج فیصلہ ہوگا اور شرعی حساب سے ہوگا۔'' اس نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا۔ سب کی نگاہیں اس طرف اٹھیں۔ وہاں ایک کونے میں شیلف بنا تھا، جس کے اوپری خانے میں غلاف میں لپٹا قرآن مجید پر رکھا تھا۔ منال کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''میں قرآن پہ ہاتھ رکھ کر قسم اٹھانے کو تیار ہوں۔''

''میں بھی تیار ہوں۔'' جہانگیر نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

''منال ...... تم جاؤ اور وضو کر کے آؤ، پھر قرآن مجید کو ادھر سامنے اٹھا کر لاؤ۔'' اس نے دونوں کی بات کا جواب نہیں دیا، بس سپاٹ نگاہوں سے منال کو دیکھتے ہوئے حکم سنایا۔

وہ سر ہلا کر اٹھ گئی، کمرے میں یونہی خاموشی چھائی رہی یہاں تک کہ وہ واپس آئی تو اس کا چہرہ، ہاتھ، آستینوں کے کنارے گیلے تھے۔ دوپٹا سر پر تھا اور قرآن پاک ہاتھ میں۔ وہ اپنے صوفے پر بیٹھی

نہیں، بلکہ وہیں کھڑے کھڑے ایک ہاتھ میں قرآن پکڑے، دوسرے کو اس کے اوپر رکھا۔

''میں اللہ کے نام کی قسم اٹھاتی ہوں کہ......''

''میں نے تم سے قسم اٹھانے کو نہیں کہا۔'' مہرماہ نے تیز لہجے میں اسے روکا۔

''پھر؟'' منال کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

''تم اپنی بات دہراؤ۔''

''جہانگیر شاہ کے میری ماں کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔ جس کا اعتراف یہ دونوں میرے سامنے کر چکے ہیں، یہ مجھے اپنی بیٹی بھی تسلیم کرتے تھے اور خرچہ پانی بھی دیتے تھے مگر ماں کے مرنے کے بعد مجھ سے اعراض برتنے لگے۔'' منال تیزی سے بولی۔

''یعنی کہ تم جہانگیر شاہ کو زنا بالرضا کا ملزم ٹھہراتی ہو؟''

''جی!'' وہ پراعتماد تھی۔ مہرماہ نے چہرہ جہانگیر کی طرف موڑا۔

''جہانگیر شاہ، کیا آپ کے اس لڑکی کی ماں کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے؟''

''نہیں!'' ان کا لہجہ سخت تھا۔

سوہنی نے منہ پھیر لیا اور شہلا زیر لب کچھ بڑبڑائیں۔ مہرماہ نے چہرہ واپس منال کی جانب پھیرا۔

''یہ انکار کر رہے ہیں۔''

''آف کورس، یہ انکار ہی کریں گے مگر میرے پاس بھی سارے ثبوت ہیں۔ ان کے وہ تمام چیکس، اسپتال کے بل، میرا ڈی این اے ٹیسٹ اور......''

''بی بی ہم کسی ڈی این اے ٹیسٹ کو نہیں مانتے۔'' مہرماہ نے ناگواری سے اسے جھڑکا۔

''آپ ڈی این اے ٹیسٹ کو نہیں مانتیں؟'' منال کے چہرے پر حیرت ابھری۔

غزل

اے جذبۂ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کے لیے دو گام چلوں اور سامنے منزل آ جائے

اے دل کی خلش چل یونہی سہی چلتا تو ہوں ان کی محفل میں
اس وقت مجھے چونکا دینا جب رنگ پہ محفل آ جائے

ہاں یاد مجھے تم کر لینا آواز مجھے تم دے لینا
جب راہ محبت میں کوئی در پیش جو مشکل آ جائے

اے جذبۂ کامل چلنے کو تیار تو ہوں پر یاد رہے
اس وقت مجھے بھٹکا دینا جب سامنے منزل آ جائے

اب کیوں ڈھونڈوں وہ چشم کرم ہونے دے ستم بالائے ستم
میں چاہتا ہوں اے جذبۂ غم مشکل پس مشکل آ جائے

شاعر...... بہزاد لکھنوی

مرسلہ: رفعت مبین رفی، کراچی

''میں نہیں، اللہ کی کتاب میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔''

''مگر اس وقت تو یہ سہولت نہیں تھی اور سائنس......''

''بی بی یہ دنیا سائنس نے نہیں بنائی، تمہارے اور میرے رب نے بنائی ہے اور یہ کتاب جس رب کا کلام ہے کیا اس کو نہیں معلوم تھا کہ کبھی یہ سہولت میسر ہوگی؟ اس کے باوجود ہمارے دین میں حدود کے مقدمے کے فیصلے میں ڈی این اے ٹیسٹ کا کوئی تصور نہیں ہے۔''

''مگر......''

''تم بتاؤ، کیا تم اپنی بات پر قائم ہو؟''

''یس آف کورس!''

''یعنی کہ تم بضد ہو کہ یہ شخص زانی ہے؟''

''جی بالکل!'' اس نے شانے اچکائے۔

''ٹھیک ہے، میں تمہارا الزام مان کر اس شخص پر سو کوڑوں کی حد نافذ کرتی ہوں مگر تم اللہ کے حکم کے مطابق ان چاروں کو لے آؤ۔''

''کن چاروں کو؟''

''ان چار گواہوں کو جنہوں نے جہانگیر شاہ کو تمہاری ماں کے ساتھ گناہ کی حالت میں دیکھا ہو۔'' منال نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''کون سے چار گواہ؟ میرا مطلب ہے میرے پاس...... آئی مین، ان کو تو کسی نے نہیں دیکھا۔''

''کیا تمہارے پاس چار گواہ نہیں ہیں؟'' مہرماہ کے چہرے پر مصنوعی حیرت ابھری۔

''مہرماہ بی بی، ایسے کام چار لوگوں کے سامنے نہیں ہوتے بلکہ رات کے اندھیروں میں، بند دروازوں کے پیچھے ہوتے ہیں۔''

''مگر چار گواہ تو تم نے لانے ہیں منال، ورنہ تم اس شخص کی بیٹی ثابت نہیں ہو گی۔''

''میری ڈی این اے رپورٹ۔''

''جہنم میں گئی تمہاری ڈی این اے رپورٹ۔ میں نے کہا نا، ہمارے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ چار گواہ منال، چار گواہ لاؤ۔ جنہوں نے ان دونوں کو واقعتاً حالتِ غیر میں دیکھا ہو۔''

''میں چار گواہ کہاں سے لاؤں؟'' وہ پریشان سی کھڑی تھی۔ ''یہ تو پاسیبل ہی نہیں ہے کہ کسی کے گناہ کے وقت چار لوگ اکٹھے ہو کر دیکھیں، اگر چار لوگ ہوتے تو کیا وہ ان کو روکتے نہیں؟ ایسا کہاں ہوتا ہے مہرماہ بی بی؟''

''یہ میرے رب کا فیصلہ ہے منال...... چار گواہ لاؤ تو میں تمہیں اس شخص کی بیٹی قرار دے دوں گی۔''

''او کے فائن۔ آپ اپنے والد کو بچانا چاہتی ہیں، ٹھیک ہے۔ نہ قرار دیں مجھے ان کی بیٹی۔ نہیں ہیں میرے پاس چار گواہ۔''

''سوچ لو۔''

''سوچنا کیا، جب نہیں ہیں گواہ تو میں کیا کروں؟''

''ٹھیک ہے پھر فیصلہ واضح ہے۔''

''کیا؟'' وہ ٹھٹکی۔ کہیں کچھ غلط تھا۔

''قذف...... تم قذف کی مجرمہ ثابت ہوتی ہو۔ تم نے ایک پاک دامن شخص پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔ تمہیں اسّی (80) کوڑے لگائے جائیں گے۔''

''واٹ؟ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ میں...... میں قسم اٹھانے کو تیار ہوں۔'' اس کے چہرے کا رنگ پہلی دفعہ پھیکا پڑا تھا۔

''رضا، یہ کوڑا اٹھاؤ۔'' مہرماہ نے رضا کو اشارہ کیا۔ وہ دم بخود کھڑا تھا۔ چونک کر مہرماہ کو دیکھنے لگا۔

''رضا میں نے کہا یہ کوڑا اٹھاؤ۔'' مہرماہ کی آواز میں سختی در آئی تھی۔ سوہنی اور حسنین سانس روکے ابھی تک اسی کوڑے کو دیکھ رہے تھے۔ رضا دھیرے سے آگے بڑھا اور کیس میں رکھا کوڑا اس کے ہینڈل سے اٹھایا۔ سیاہ چمڑے کا لمبا سا ہنٹر...... ہال کمرے میں موت کا سناٹا چھا گیا تھا۔ وہ اب کوڑا اٹھائے الجھی سوالیہ نگاہوں سے مہرماہ کو دیکھ رہا تھا۔

''تم شرائط سے واقف ہو رضا۔ کوڑا مارتے وقت تمہاری کلائی تو حرکت کرے مگر بازو اوپر نہ اٹھایا جائے۔''

رضا نے خائف نگاہوں سے اسے دیکھا اور منال کا رنگ نچڑ چکا تھا۔

''نہیں مہرماہ بی بی...... آپ مجھے یہ سزا نہیں دے سکتیں۔''

''رضا، تم اسے پورے اسّی (80) کوڑے لگاؤ گے۔ شروع کرو۔'' رضا نے کوڑے کو حرکت دینی چاہی مگر اس کے ہاتھوں میں واضح لرزش اتر آئی تھی۔

''نہیں رضا آپ مجھے نہیں مار سکتے...... میں اپنا دعویٰ واپس لے لوں گی...... پلیز۔'' وہ خوف زدہ سفید چہرہ لیے منت کرنے لگی تھی۔

''یہ بات تمہیں بہتان باندھنے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی۔ شروع کرو رضا۔''

رضا کا چہرہ پسینے میں بھیگ چکا تھا۔ وہ بے چارگی و بے بسی سے کبھی ہاتھ میں پکڑے کوڑے کو دیکھتا، کبھی منال کے سفید پھٹک چہرے کو۔

''رضا میں نے کہا شروع کرو۔'' مہرماہ کی سخت آواز بلند ہوئی تو وہ آگے بڑھا اور بازو بغل سے جدا کیے بغیر بس کلائی کو گھمائے پوری قوت سے ہنٹر منال کی کمر پر مارا۔ وہ ایک زوردار چیخ کے ساتھ بلبلا کر گھٹنوں کے بل گری۔

''نہیں...... مجھے مت مارو پلیز۔'' وہ رونے لگی تھی۔

''ایک......'' مہرماہ نے بند مٹھی میں سے شہادت کی انگلی نکال کر بلند کی۔ رضا نے بے بسی سے اس کو دیکھا، رحم یا ترس کی آس پہ مگر مہرماہ کا چہرہ برف کی طرح سرد تھا۔

اس نے شکستگی سے کلائی کو گھمایا اور زوردار ضرب منال کے کندھوں کے پچھلے حصے پر لگی۔ اس کی دردناک چیخیں فضا میں بلند ہوئی تھیں۔

''نہیں...... پلیز...... مجھے مت مارو۔ میں چلی جاؤں گی یہاں سے، کچھ نہیں بگاڑوں گی تم لوگوں کا پلیز۔''

''دو!'' مہرماہ دو انگلیوں کا اشارہ کیے اب منتظر

دعوت نامہ کچھ یوں بھی ہو سکتا ہے

ہماری موروثی ادب نوازی کا اثر ہمارے بھتیجے صاحب پر بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ گاہے بہ گاہے اکثر اپنے ہم مذاق دوستوں میں جوہر دکھاتے رہتے ہیں۔ ابھی کچھ دن گزرے ان کے بچپن کے ساتھی نے ان سے فرمائش کی کہ ہمارے بیٹے کی شادی کارڈ کا مضمون تم لکھو گے مگر انداز ذرا ہٹ کر لطیف پیرائے میں ہو موصوف کی رگِ ظرافت پھڑک اٹھی جو آمد ہوئی وہ کچھ یوں ہے۔

مکرمی آداب!

امید ہے آپ اور اہلِ خانہ خوش باش ہوں گے۔ عرضِ احوال ہے کہ نورچشمی سمیر فاروقی الحمدللہ جواں ہو گئے لہٰذا کھونٹے سے باندھنے کی ضرورت پڑ گئی۔ اب آپ سے کیا پردہ کھونٹا ہماری آدھی گھر والی شائستہ کہ احسن زبیر کی سموچی گھر والی ہیں کے گھر سے مل گیا۔ احسن زبیر اور ہم ایک ہی زلف کے اسیر ہیں۔ بہو رانی ان کی بیٹی اور ہماری لاڈو ''کنزیٰ''...... معاملاتِ نکاح و رخصتی بہ رغبت و رضامندیِ فریقین طے پا گئے...... ولیمہ مسنون کا اہتمام انشاءاللہ 24 جولائی علی گڑھ لان کراچی میں کیا گیا ہے...... اس تقریبِ سعید میں آپ کی شرکت ضروری ہے اول اس لیے کہ آپ کی دعائیں درکار ہیں، دوئم اس لیے کہ دانے دانے پر لکھا ہے کھانے والے کا نام اور دانے کا وافر بندوبست ہو گا رات دس بجے آپ نہیں آئیں گے تو احتجاجاً ہم بھی نہیں کھائیں گے اور دانے ضائع ہو جائیں، آیئے گا ضرور انتظار رہے گا۔

تحریر سید محمود علی، مرسلہ: تسنیم منیر علوی

سی رضا کو دیکھ رہی تھی۔

جہانگیر شاہ کے چہرے پر بھی اتنی ہی سختی تھی جتنی مہر ماہ کے چہرے پر تھی۔ البتہ سوہنی، حسنین اور شہلا شاکڈ سے ساری کارروائی دیکھ رہے تھے۔

رضا کی آنکھیں سرخ پڑنے لگی تھیں۔ بمشکل ہمتیں مجتمع کر کے اس نے ہاتھ گھمایا اور لہرا کر ہنٹر اس کی کمر پر مارا۔ پھر بنا وقفے کے تین دفعہ اس نے ضرب لگائی، پھر تھک کر مہر ماہ کو دیکھا۔

''ابھی سے تھک گئے رضا؟ ابھی تو چہتر (74) کوڑے اور بھی مارنے ہیں۔''

''پلیز...... پلیز۔'' منال اسی طرح رو رہی تھی۔

رضا نے سختی سے آنکھیں میچیں اور ہنٹر لہرایا۔ منال کا رنگ خوف سے لٹھے کے مانند سفید پڑ چکا تھا۔ وہ ہنٹر لہراتے دیکھ کر ہی چیخنے لگی، اور بالآخر سوہنی ضبط کھو بیٹھی۔

''رحم...... مہر ماہ...... رحم کریں اس پر۔ وہ مر جائے گی۔'' اس نے ہاتھ جوڑ دیے۔ مہر ماہ نے ناگواری سے سوہنی کو دیکھا۔

''کیا ابھی تم نے سنا نہیں کہ اللہ نے تمہیں حدود کی سزا کے وقت مجرموں پر رحم کھانے سے منع کیا ہے؟''

''مگر مہر ماہ...... یہ واقعی پاپا کی......''

''ایک لفظ تم نے مزید کہا سوہنی تو اس بہتان کا بوجھ تم بھی اٹھاؤ گی اور یہی اسّی (80) کوڑے میں تمہیں بھی لگواؤں گی۔'' اور سوہنی کا تو گویا سانس خشک ہو گیا۔ وہ ادھ کھلے منہ کے ساتھ واپس جا بیٹھی۔

''تم اپنا کام جاری رکھو رضا...... تاکہ یہاں بیٹھے ہر شخص کو معلوم ہو کہ کسی پر تہمت لگانا بچوں کا کھیل نہیں ہوتا۔ بیٹھے رہو حسنین، اور یہ سزا دیکھو تاکہ زندگی میں کبھی تمہیں بھی کسی پر تہمت لگانے کی ہمت نہ ہو۔'' حسنین جو دلبرداشتہ ہو کر اٹھنے والا تھا، اس کی تنبیہہ پر بے بسی سے دوبارہ بیٹھ گیا۔

رضا کے ہاتھ اب لرز رہے تھے، اس نے بمشکل کلائی گھمائی تو ہنٹر لہرا کر منال کے دائیں شانے پر آ پڑا۔ وہ بلک بلک کر رو دی۔

''مجھے چھوڑ دو...... مجھے جانے دو۔'' مگر مہر ماہ اسے نہیں سن رہی تھی، وہ انگلیوں پر کوڑے گن رہی تھی۔

''سات۔''

رضا نے آنکھیں بند کر لیں اور پوری قوت سے ہنٹر آگے سے لہرایا۔ اب کے وہ منال کے گھٹنے پر لگا۔

''چھوڑو...... چھوڑو مجھے......'' وہ ہذیانی انداز میں چلّاتی کھڑی ہوئی تھی۔ ''تم مجھے نہیں مار سکتے، تم مجھے نہیں مار سکتے۔'' وہ لڑکھڑاتی ہوئی آگے بڑھی اور وحشیانہ انداز میں رضا کا گریبان پکڑ کر جھنجوڑا۔

''تم نے...... تم نے کہا تھا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم نے کہا تھا بی بی جان رپورٹس پر یقین کر لیں گی۔ تم نے کہا تھا بی بی جان فوراً جائداد میں سے حصہ الگ کر دیں گی۔ اور اب...... اب تم مجھے مار رہے ہو؟ مہر ماہ بی بی...... یہ سب اس نے...... اسی نے کیا ہے......'' وہ اس کا گریبان پکڑے چلّا رہی تھی۔

رضا پتھر کا بت بنا کھڑا تھا، کوڑا کب اس کے ہاتھ سے فرش پر جا گرا تھا، اسے پتا بھی نہ چلا۔

''اس نے کہا تھا کہ شہلا بی بی شاہ پر شک کرتی ہیں۔ اگر میں ان کی ہمدردی لے لوں تو...... اور اس نے کہا تھا کہ یہ تب ہی مجھ سے شادی کرے گا جب

میں شاہ کی بیٹی ثابت ہو کر شاہ کی جائداد کا ایک حصہ حاصل کروں۔ سارا منصوبہ اسی کا تھا۔ اس نے کہا تھا میری آنکھیں شاہ سے ملتی ہیں اور شاہ نے ترس کھا کر مری ماں کی بہت مدد کی تھی۔ شاہ مجھے بیٹی نہ تسلیم کرے، تب بھی اگر بی بی جان کو میرا یقین آ گیا تو فیصلہ میرے حق میں ہوگا۔ اسے پتا تھا جہانگیر شاہ اپنی رپورٹس اس کے علاوہ کسی کے ہاتھ میں نہیں دیں گے۔ مجھے جانے دو مہر ماہ بی بی۔ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے معاف کر دو۔'' منال رو رو کر کہہ رہی تھی اور...... سب پھٹی پھٹی نگاہوں سے رضا کو دیکھ رہے تھے جو پتھر کا بت بنا کھڑا تھا۔ سوائے مہر ماہ کے، جو اسی سپاٹ تاثرات والے چہرے کے ساتھ بولی تھی۔

''تم پہلے ہی قذف کا ارتکاب کر چکی ہو۔ اب تمہاری گواہی تب ہی قبول ہوگی جب تم اپنے الزام کو جھٹلاؤ گی۔''

''میں جھٹلاتی ہوں، میں جھٹلاتی ہوں۔ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ یہ ہم دونوں کا منصوبہ تھا۔ دولت کے لیے...... پیسے کے لیے...... رضا کے لیے۔'' وہ سسکیوں کے درمیان بے ربط فقرے ادا کر رہی تھی۔

''بچل...... میرو......'' مہر ماہ نے تحکم سے آواز لگائی۔ فوراً دو ملازم حاضر ہوئے تھے۔

''رضا صاحب کو لے جاؤ، ان کا فیصلہ ہم بعد میں کریں گے اور سلیمہ مائی کو بھیجو۔ اس لڑکی کو بقیہ کوڑے وہی لگائے گی۔ اس کی سزا ابھی ختم نہیں ہوئی، اور ایسا کر کے میں تمہیں آخرت کی سزا سے بچا رہی ہوں منال۔'' منال گھٹنوں کے بل فرش پر گر گئی۔ اس کا سر جھکا تھا اور وہ بے طرح سے رو رہی تھی۔ بت بنے رضا کو وہ دونوں ملازم اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

''میرے خدایا...... تو کیا یہ سب جھوٹ تھا؟'' سوہنی کا سکتہ اب ٹوٹا تھا۔ اس نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

''ہاں سوہنی، اور کاش تمہاری ماں نے تمہیں یہ سکھایا ہوتا کہ جب بھی کوئی کسی پر بدکاری کی تہمت لے کر آئے، تو اس کی شکل کی شباہت یا ڈی این اے ٹیسٹ کے بجائے چار گواہ مانگو۔'' مہر ماہ نے ایک جتاتی نگاہ شہلا پر ڈالی جو ندامت سے سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ سامنے بیٹھے جہانگیر شاہ کے چہرے پر ڈھیروں حزن و ملال کے ساتھ اطمینان بھی تھا۔ برأت کا اطمینان۔

''مائی سلیمہ کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام میں بھی کر سکتا ہوں۔'' حسنین ایک دم اپنی جگہ سے اٹھا اور زمین پر گرا کوڑا اٹھا لیا۔ منال نے رحم طلب نظروں سے اسے دیکھا اور ہاتھ جوڑ دیے۔

''ترس مت کھاؤ حسنین، اور کلائی گھما کر کوڑے مارو۔ دھیان کرنا تمہارا بازو بغل سے جدا نہ ہو۔ اور اللہ کی حد نافذ کرتے ہوئے تمہیں اس پر ترس نہیں کھانا چاہیے۔ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اللہ کے بارے میں مہر ماہ کو کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں ہے۔ تمہیں بھی نہیں ہونی چاہیے۔''

''نہیں ہے...... مجھے کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں ہے اور مجھے رحم بھی نہیں آ رہا۔ یہ اسی سزا کی مستحق ہے مہر ماہ۔ اس کے ایک بہتان نے میری بی بی جان کی زندگی چھین لی ہے۔ اسے بھی پتا چلنا چاہیے کہ کسی پر تہمت لگانا چھوٹی بات نہیں ہوتی ہے۔'' ایک نفرت انگیز نگاہ اس پر ڈال کر حسنین نے کلائی گھمائی۔ منال نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔ وہ واقعی اس سزا کی مستحق تھی۔

''آٹھ...... نو...... دس۔'' مہر ماہ بہت سکون سے اپنی گنتی مکمل کر رہی تھی۔ منال کی سسکیاں ہال کمرے میں گونج رہی تھیں۔